رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "هم خلفاتی من بعدی، اولهم علی بن ابی طالب ثم الحسن بن علی ثم الحسین بن علی ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی و ستدرکه یا جابر فاذا لقیته فاقرئه منی السلام، ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسی بن جعفر ثم علی بن موسی ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم حسن بن علی ثم حجة الله فی الارضه و بقیة الله عزو جل علی یدیه مشارق الارض و مغاربها و ذالك الذی بغیب عن شیعتة و اولیائه غیبة لا یثبت فیها علی القول باماتة الا من امتحن الله قلبه بالایمان "وہ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ ہیں جن میں پہلے علیؑ بن ابی طالب ہیں پھر حسن بن علی پھر حسین بن علی پھر علی بن حسین پھر محمد بن علی علیہم السلام ہیں (جو توریت میں باقر کے لقب سے مشہور ہیں) اور اے جابر! تم عنقریب ان کا زمانہ پاؤ گے پس ان سے میرا اسلام کہنا پھر ان کے بعد جعفر بن محمد پھر موسی بن جعفر پھر علی بن موسی پھر محمد محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر محمد بن حسن ابن علی علیہم السلام ہیں جو زمین میں خدا کی حجت اور بندگان خدا میں بقیۃ اللہ ہوں گے وہی ہیں جن کے ہاتھوں پر خدا زمین کے مشرق و مغرب کو فتح کردے گا۔ اور وہی ہیں جو اپنے شیعوں اور دوستوں سے اس طرح پوشیدہ ہو جائیں گے کہ ان کی امامت کے اعتقاد پر کوئی باقی نہیں رہ جائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے دل کا خدا نے ایمان سے امتحان لیا ہو۔

# بصائر

جمادی الاول-جمادی الثانی


سرپرست

حجۃ الاسلام ڈاکٹر رضا شاکری

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مدیر

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس مشاورت

حجۃ الاسلام.............................سید فیاض حسین رضوی

حجۃ الاسلام.............................سید منظور عالم جعفری

حجۃ الاسلام.............................سید سرور عباس نقوی

حجۃ الاسلام.............................علی عباس حمیدی

حجۃ الاسلام.............................اطہر حسین شاہ

ادارہ کا مقالہ نگاروں کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے



برائے رابطہ:

۱۸/تلک مارگ، ایران کلچر ہاؤس-نئی دہلی

miudafter@gmail.com

# فہرست مطالب


اداریہ..........................................ادارہ..........................................۴
حمد باریٔ تعالی..........................................ظہور مہدی مولائی..........................................۵
اسلامی مناسبتیں..........................................ادارہ..........................................۶
معرفت خدا اور اس کی اقسام..........................................ڈاکٹر رضا شاکری..........................................۷
رجب میں معصومین علیہم السلام کی سیرت..........................................سید اشھد نقوی..........................................۱۱
رجب ماہِ خود سازی و تہذیب نفس..........................................ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی..........................................۱۵
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور احیائے حدیث..........................................ظہور مہدی مولائی..........................................۲۳
امیر المومنین علیہ السلام اور انسانی حقوق..........................................سید علی ہاشم عابدی..........................................۳۳
حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں سیاست کے اصول..........................................ڈاکٹر شیخ تنویر ذکیہ..........................................۴۱
حضرت زینب سلام اللہ علیہا پروردہ دامن وحی..........................................ڈاکٹر شازیہ مہدی..........................................۴۶
حضرت ابو طالب علیہ السلام تاریخ کی مظلوم شخصیت..........................................سید محمد مجتبیٰ علی رضوی، کلکتوی..........................................۵۱
جزیرہ نمائے عرب پر بعثت نبوی کے اثرات..........................................سید حمید الحسن زیدی..........................................۵۷
علمدار کربلا کی عملی سیرت میں اخلاق کی جھلکیاں..........................................فیروز علی بنارسی..........................................۶۳
امام سجاد علیہ السلام کی سیرت میں خارجی سیاست کے اصول..........................................منہال رضا خیر آبادی..........................................۷۹
امام سجاد علیہ السلام کی نظر میں گناہوں کے آثار..........................................سید منظور عالم جعفری سرسوی..........................................۸۷
حضرت امام مہدی (عج) فریقین کی نظر میں..........................................سید تقی عباس رضوی کلکتوی..........................................۱۰۳
مفلسی اور غربت کو ختم کرنے کے لئے اسلامی تجاویز..........................................علی عباس حمیدی..........................................۱۱۱
اعتکاف کی اہمیت اور اس کے شرائط..........................................سید مختار حسین جعفری..........................................۱۱۹
مدح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام..........................................علامہ ذیشان حیدر جوادی کلیم..........................................۱۲۲
معصومین کی اخلاقی سیرت میں عفو و بخشش..........................................محمد تقی رضا..........................................۱۲۳
اخباری تراشے..........................................معاونت پژوھش..........................................۱۲۶

## اداریہ

جہاں انسان اپنی بقاء کے لئے مادی چیزوں کا محتاج ہے وہیں اپنی دائمی زندگی کی بہترائی کے لئے معنوی اور روحانی کیفیات کا بھی محتاج ہے جو سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے ہم کو ہمیشہ تو آخرت ہی میں رہنا ہے جس کے لئے معنویت اور روحانیت کی ضرورت ہے لہذا ہم کو وہاں کے لئے فکر مند رہنا چاہیے چونکہ بہشت کا دارومدار ہی معنویت پر ہے جو عقیدہ سالم اور عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے اسی لئے قرآن کریم نے سورہ والعصر میں ایمان اور عمل کو خسارہ نہ اٹھانے والوں کے لئے لازم وملزوم قرار دیا ہے در واقع یہ ان لوگوں کو چیلنج ہے کہ جو عمل کو چھوڑ کر عقیدہ کا دم بھرتے ہیں کہ ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس دنیامیں جسم بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح روح بھی اپنے وجود کا اثبات بغیر جسم کے نہیں کر سکتی مثلاً اگر جسم میں حرکت ہوگی تو کہیں گے روح ہے اور حرکت نہیں ہوتی تو کہتے ہیں روح نکل گئی پس جیسے اس دنیامیں جینے کے لئے جسم اور روح دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہیں اسی طرح بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایمان کے ساتھ عمل کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف خداوند متعال نے بارہا قرآن کریم میں اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ آخرت کے لئے تقوی الٰہی نہایت ضروی ہے اس کی اہمیت و ضرورت سے متوجہ کرنے کے لئے اس نے سورہ والشمس میں ۱۱ قسمیں کھائیں ہیں۔

"آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم، چاند کی قسم، دن کی قسم، رات کی قسم، آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم، زمین اور اس کے بچھانے والے کی قسم، نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا ہے اس کی قسم "اس کے بعد فرمایا: "....... بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا. اور وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے آلودہ کر دیا ہے" اہل علم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفس کو گناہوں سے پاکیزہ رکھنے ہی کا نام تقوی ہے۔

اس بنا پر مذکورہ فرمان خداوندی کے بعد اب ہم کو مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں چونکہ صاحبان عقل و فہم ذکر شدہ عبارت سے تقوی کی ضرورت و اہمیت اور ایمان کے ساتھ عمل کے لازم اور ملزوم ہونے کا اندازہ لگا ہی لیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ خداوند متعال متقین کے ہی اعمال قبول کرتا ہے ہم خداوند عالم کے شکرگزار ہیں کہ اس نے ہم کو حیات سے نوازا، لہذا ہم اس سے استدعا کرتے ہیں کہ درپیش ماہ مبارک رجب وشعبان کے اعمال بجالانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ بروز حشر "این الرجبیون" کا مصداق قرار پاکر اپنے ائمہ کی خوشنودی کا سبب بن سکیں۔ ادارہ نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ آخر میں مجلہ کے تمام مقالہ نگاروں اور ہمکاروں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے اور امیدوار ہے ان شاء اللہ آیندہ بھی اپنے قیمتی مقالات کے ساتھ ادارہ کے علمی، تبلیغی مشن میں شریک رہیں گے

# حمدِ باریٔ تعالی

خدائے پاک کی حمد و ثنا ضروری ہے
اور اسکی یاد میں رہنا سدا ضروری ہے

بشکل قول و عمل "لاالہ الااللہ"
ہر اک مقام پہ یہ ادعا ضروری ہے

وہ بندگی کی نہایت حسیں نشانی ہے
اسی لئے تو خدا سے دعا ضروری ہے

وہ بخش دیتا ہے بندہ کی کل خطاؤں کو
یہ جاں ہو اس کے کرم پر فدا ضروری ہے

وہ ماں سے بڑھ کے شفیق و رحیم ہے ہم پر
اسی کا شکر ہو ہر دم ادا ضروری ہے

وہ عاصیوں سے بھی جلدی خفا نہیں ہوتا
اسی کو راضی رکھیں ہم سدا ضروری ہے

اسی نے حکم دیا ہے کہ ہم کریں توبہ
اسی کی ذات سے خوف و رجا ضروری ہے

فقط وہی ہے گناہوں کو بخشنے والا
اسی کے سامنے آہ و بکا ضروری ہے

وہی بچائے ہمیں ہر گناہ و عصیاں سے
اسی کریم سے یہ التجا ضروری ہے

وہ ہم حقیروں سے غافل کبھی نہیں ہوتا
نہ ہم بھی اس سے ہوں ہرگز جدا ضروری ہے

وہ بے نیاز حقیقی ہے پر یہ کہتا ہے
تمھارے دل میں ہو میری ولا ضروری ہے

یہ جب یقیں ہے کہ اس سے نہیں ہے کچھ
مخفی تو اس علیم سے شرم و حیا ضروری ہے

ظہور شکر ہے اس کا کہ خود اسی نے ہمیں
بفیض دیں یہ بتایا کہ کیا ضروری ہے

# اسلامی مناسبتیں

- ماہ رجب کی اہم مناسبتیں

۱۔رجب، ولادت امام محمد باقر علیہ السلام ۵۷ھ ق

۳-رجب، شہادت امام علی نقی علیہ السلام ۲۵۴ھ ق

۱۰-رجب،ولادت امام محمد تقی ۱۹۵ ھ ق

۱۳ -رجب، ولادت امام علی علیہ السلام

۱۴-رجب،وفات حضرت زینب علیہا السلام ۶۲ ھ ق

۱۸ -رجب،وفات ابراہیم فرزند پیامبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۵ -رجب،شہادت امام موسی کاظم علیہ السلام ۱۸۳ھ ق

۲۶-رجب، وفات محسن اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام

۲۷ -رجب،مبعث پیامبر گرامی ۱۳سال قبل از ہجرت

۲۸ -رجب،امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی ۶۰ھ ق

- ماہ شعبان کی اہم مناسبتیں

۳۔شعبان ،ولادت باسعادت امام حسین علیہ السلا(۴ھ ق)

۴۔شعبان المعظم،ولادت باسعادت حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ۲۶ھ ق

۵۔ولادت باسعادت امام زین العابدین علیہ السلام ۳۱ھ ق

۱۱۔شعبان المعظم، ولادت باسعادت حضرت علی اکبر علیہ السلام ۳۳ھ ق

۱۴۔شعبان المعظم، شب برائت

۱۵۔شعبان المعظم،ولادت باسعادت منجی عالم بشریت امام مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف ۲۵۵ھ ق

# معرفت خدا اور اس کی اقسام

ڈاکٹر رضا شاکری

معرفت خداوند متعال ہر انسان پر واجب ہے چونکہ وہ ہمارا خالق، رازق، اور پروردگار ہے اس نے سب کچھ ہمارے لئے خلق کیا ہے اور ہم کو اپنی معرفت و عبادت کے لئے خلق کیا لہذا ہم کو ہر حال میں اس کی معرفت حاصل کرنی چاہیے کیونکہ اس کی معرفت اصل دین روح ایمان ہے اب سوال یہ ہے کہ اس معرفت کس اعتبار سے حاصل کی جاسکتی ہے علماء کا بیان ہے خدا کے سلسلہ میں دو اعتبار سے معرفت کا تصور کیا جاسکتا ہے: معرفت حضوری اور معرفت حصولی۔

**۱۔ معرفت حضوری:**

معرفت حضوری کا مطلب یہ ہے کہ انسان مفاہیم ذہنی کو واسطہ بنائے بغیر شہود قلبی کے ذریعہ خدا کی ذات سے آشنا ہو جائے۔

**۲۔ معرفت حصولی:**

معرفت حصولی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کلی مفاہیم (جیسے بے نیاز، خالق، عالم و قادر) یعنی ادراکات ذہنی اور ایک لحاظ سے غائبانہ طور پر خدا کی طرف نسبت دے، اور اس حد تک اعتقاد رکھے، کہ ایسی ذات کا وجود ہے کہ جس نے اس جہان کو پیدا کیا ہے اور پھر معرفت حصولی کے دوسرے ذرائع کو اس سے متعلق ایک منظم اصول تک رسائی ہو سکے، جو کچھ بھی فلاسفر براہین اور عقلی کاوشوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ دراصل یہی معرفت حصولی ہے۔

انسان اللہ کی حضوری معرفت دو طریقوں سے حاصل کرتا ہے:

۱-خدا کی فطری معرفت، آیۂ میثاق اور آیۂ فطرت خدا کی اسی فطری معرفت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو نہایت ضعیف اور کمزور ہے جس کی طرف انسان متوجہ نہیں ہے۔

علم حضوری، فطری صورت میں کبی نہیں ہے، فطری علم صرف ایک صلاحیت و لیاقت ہے جس کا مالک اپنی سعی و کوشش سے اسے عملی جامہ پہنا سکتا ہے اور ابہام سے فہم و شعور میں تبدیل کر سکتا ہے۔

۲-علم حضوری ہے جو انسان اپنی سعی و کوشش اور محنت و لگن اور ارتقائے کمال کے مراحل سے گزرنے کے بعد اپنے اندر ایسی لیاقت پیدا کر لیتا ہے کہ اسے خدا کی جانب سے روشن اور شعوری علم عطا ہوتا ہے۔

یہ علم حضوری بھی تشکیکی ہے جس کے مختلف مراحل ہیں اور اس کا اعلیٰ و بلند ترین مرحلہ انسانی کمال کا آخری ہدف ہے اور بنیادی طور پر انسان کی تخلیق کا مقصد اسی مقام تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا اخلاقی سرگرمیاں بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے ہونی چاہئے۔

قرآنی آیات اور احادیث بھی اس حقیقت کو مختلف تعبیرات و تشریحات جیسے: رؤیت، شہود، نظر وغیرہ کے ذریعہ بیان کرتے ہوئے اسکی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ خدا کے اولیاء اس کو دوسری دنیا میں حاصل کریں گے، اور دائمی سعادت سے سرفراز ہوں جائیں گے

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔[1] اس دن بعض چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی نعمتوں پر نظر رکھے ہوئے ہوں گے

نیز ارشاد رب العزت ہے: وَ كَذٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ لِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ۔[2]

اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السّلام کو آسمان و زمین کے اختیارات دکھلاتے ہیں اور اس لئے کہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔

علم حضوری کا آخری مرحلہ شہود کا ہے جو ہر انسان کے بس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لائق وشائستہ اور مخلص بندوں کو عطا کرتا ہے۔

ہاں! اس کے مقدمات کی فراہمی انسان کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ اس مقام و منزلت و سیر و سلوک تک پہنچنا انسان کے اختیاری افعال کا نتیجہ ہے۔

اگر انسان کی صحیح ہدایت و راہنمائی ہو تو وہ اس منزل شہود تک ضرور پہنچ گا اور یہ منزل شہود انسان کے اختیاری افعال کا جزئی صلہ ہے، وہ کام جو صحیح اور مناسب طریقے سے انجام پاتے ہیں، اس کام کا صلہ انسان کو دوسری دنیا میں مکمل طور دیا جائے گا، اگرچہ کچھ لوگوں کو درک و شہود کے نچلے درجے کی سعادت اسی دنیا میں عطا ہوتی ہے۔

معرفت حصولی: بالا مذکورہ بیان کے مطابق معرفت حصولی یعنی خدا شناسی حصولی جو مفاہیم، ذہنی تجزیہ و تحلیل اور عقلی استدلال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جس کی تعریف میں کہا جاسکتا ہے کہ خدا شناسی حصولی، خدا شناسی سے متعلق مسائل کے مقدمات کا ایسا مجموعہ ہے جسے علمی، فلاسفی اور کلامی طریقہ سے پیش کیا جائے۔ ایسے مقدمات جس کے موضوع و محمول ہوں اور اس کی لازمی تعریف ہو اور وہ ایسی نسبت رکھتے ہیں جو دلیل و برہان کے ذریعہ انسان اس کی تائید و تصدیق کرتا ہو۔ یعنی جس طرح ہم ریاضی کے کسی مسئلے

---

[1]. قیامت/۲۲-۲۳

[2]. انعام/۷۵

کے بارے میں سوچتے ہیں اور اس کا حل تلاش کرتے ہیں، بالکل اسی طرح سے ہمیں خدا شناسی سے متعلق مسائل کے بارے میں عقل و استدلال کی مدد سے ان مسائل کو حل کرنا چاہیے اور اس کی مبہم گرہوں کو کھولنا چاہیے۔

بنابرایں معرفت و شناخت دو طریقوں سے ایمان کے تکامل میں اثرانداز ہوسکتے ہیں:

پہلا: یہ کیفیت و معیار کے اعتبار سے، یعنی انسان کی معرفت و شناخت جتنی زیادہ محکم و مستحکم، روشن تر اور شک و تردید، تذلذل اور ابہام سے خالی ہوگی اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوگا اور عمل سے گہری وابستگی ہوگی۔

دوسرا: یہ کہ جو علم و شناخت اسے حاصل ہوئی ہے اس پر بار بار توجہ دے اور کثرت سے اس کی طرف رجوع کرے اور اپنی عملی اور روزمرہ کی زندگی میں اس پر اثرانداز ہونے کی کوشش کرے، کیونکہ طبیعی طور ایسی معرفت و شناخت جسے بار بار یاد کیا جائے وہ ہرگز کبھی فراموش نہیں ہوگی اور ایمان کو ہمارے وجود میں متحرک، فعّال اور مؤثر بنائے رکھے گا۔

بنابرایں، ہم حقیقت جوئی اور کمال جوئی کے درمیان کے ایک ربط پیدا کرسکتے ہیں، جو اس سے زیادہ عام، وسیع اور گہرا ہو، یا یوں کہنا بہتر ہوگا: ان دونوں کے درمیان حقیقی ربط کے بارے میں لوگوں کو آگاہ اور متنبہ کرکے اس میں زیادہ محنت اور سرگرمی کی راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔

کیونکہ، کوئی بھی انسان ناقص و نامکمل نہیں رہنا چاہتا یا کوئی بھی حیوانیت کی کھائی میں گرنا نہیں چاہتا ہے اور نہ ہی کوئی انسانیت اور انسانی کمال سے دور رہنا چاہتا ہے۔ اور اگر اسے ادراک ہوجائے تو وہ اس لحاظ سے حقائق کو سمجھنے میں کوتاہی کرے گا، وہ زوال کو روکنے کے لئے اپنی کوششوں میں جتنا اضافہ کرسکتا ہے، وہ سوال اٹھائے گا اور جوابات تلاش کرنے یا مسائل کے جوابات دینے کے لئے تیار ہوجائے گا۔ ان میں سے سب سے اہم یہ گہرا سوال ہوگا: کیا دنیا کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی صفات اور افعال کیا ہیں؟

تَرَىٰٓ أَعۡيُنَهُمۡ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ ٱلۡحَقِّ...[1] تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوجاتے ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے...

اس لئے ہستی کامل کا قرب حاصل کرنے کی خواہش انسانی فطرت ہے۔ اب اگر کوئی ہستی تمام مخلوقات سے برتر ہے اور بالکل کامل ہے تو یقیناً اس کے قریب آنا کسی طرح بھی دوسرے مخلوقات سے موازنہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم اعلیٰ اور تخلیقی ہستی کی اصل میں مطلق کمال کے تصور کو پہچاننا چاہتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ ایک ایسا کمال ہے کہ اگر ہم دنیا کے تمام عظیم انسانوں سے لے کر سلطانوں اور حکمرانوں تک غور کریں علماء اور عظیم سائنسدانوں اور تمام خوبصورتیوں اور دولت مندوں کے لئے صحیح اور غلط۔ میرا یقین ہے کہ وہ اس خدائی کامل کمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں اور ایک بہت بڑے سمندر کے کنارے ایک چھوٹے قطرے

---

[1] .مائدہ/ ۸۳

کی طرح ہیں۔ اور اس حقیقت پر غور کرتے ہوئے، آپ اتنے بڑے حاکم کے قریب ہونے کا موازنہ ان ظاہری انسانی ہستیوں کے قریب ہونے سے کیسے کر سکتے ہیں جو اس کے بندے ہیں اور اس کی عبادت اور قربت کے بجائے دوسروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

یہ گہرا خیال انسان میں ایک گہرا حوصلہ پیدا کرتا ہے اور ابھارتا ہے اور شاید ایک شدید اور نہ بجھنے والی پیاس کی صورت میں انسان کو اس کامل کمال کی تلاش پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ اپنے علم کے ذریعے اس صاف اور خوشگوار پانی سے پی سکے اسے کم کرنے کے لئے پایا۔ اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کی عبادت کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اس کے سامنے باوقار ہو اور اس کے قریب ہو کر اس کی رحمت کے قریب ہو سکے۔ اور ابراہیم کی زبان سے، نرمی کے ساتھ، وہ اس معاملے پر انحصار کرتے ہیں جہاں جناب ابراہیم علیہ السلام یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

**اَلَّذی خَلَقَنی فَھُوَ یَھْدِین وَالَّذی یُطْعِمُنی وَ یَسْقِین وَ اِذا مَرِضْتُ فَھُو یَشْفِینِ والَّذی یُمیتُنی ثُمَّ یُحْیِینِ وَالَّذی اَطْمَعُ اَنْ یَغْفِرَلی خَطیئَتی یَوْمَ الدِّینِ۔**[1]

وہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور پھر وہی ہدایت بھی دیتا ہے وہی کھانا دیتا ہے اور وہی پانی پلاتا ہے، اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی شفا بھی دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے اور پھر وہی زندہ کرتا ہے اور اسی سے یہ امید ہے کہ روزِ حساب میری خطاؤں کو معاف کر دے۔

نفسیات کے میدان میں بہت سی تحقیقیں اور مطالعہ کیے گئے ہیں تاکہ ذہنی پریشانیوں اور پریشانیوں کے حل اور ان سے لڑنے کے طریقے دریافت کیے جا سکیں، تاکہ انسان اور انسانی معاشرے کی خدمت کی جا سکے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ خدا پر ایمان لانا اور اس کا قرب حاصل کرنا ایک مومن کو بہترین ذہنی سکون فراہم کرتا ہے، اور یہ خود ان لوگوں کے لئے ایک اہم محرک بن سکتا ہے جو اس گمشدہ چیز یعنی ذہنی سکون کو اس راہ میں تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں ایک قدم اٹھانا چاہئے اور تسلی بخش خدا سے پوچھنا چاہئے جو فرماتا ہے: **اَلا بِذِکْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ**۔۔۔۔[2] آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یادِ خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

**خدا سے عشق و محبت کا تعلق کس سائے معرفت میں ہے:** کہا جاتا تھا کہ انسان اور خدا کا تعلق علم و معرفت پر مبنی فہم و ادراک کا رشتہ ہے۔ اور علم و فہم کا معیار اور سطح بھی تعلق کا تعین کرتی ہے۔

---

[1]. شعراء/۷۸ تا ۸۲

[2]. رعد/۲۸

# رجب میں معصومین علیہم السلام کی سیرت

اشھد نقوی

دعا، اعمال، عبادات اور دیگر دینی کتابوں میں ماہ رجب کی خاص اہمیت بیان کی گئی ہے، اس ماہ کو ماہ امیر المومنین علی علیہ السلام کا نام سے بھی دیا گیا ہے جن کی عبادتیں، خدا سے راز و نیاز اور دعائیں بے مثال اور زبان زد خاص و عام ہیں۔

چوتھے امام حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کہ جنہیں کثرت عبادت اور طولانی سجدوں کی وجہ سے سید الساجدین اور زین العابدین کے لقب سے نوازا گیا جب عبادتوں کے حوالے سے آپؑ سے دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ "**ومن یقدر علی عبادۃ جدی علی بن ابی طالب**؛ کون میرے جد علی بن ابی طالب علیہما السلام کی طرح عبادت کر سکتا ہے"؟[1]

ابن ابی الحدید بھی اسی بات کو نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ علی بن الحسین علیہما السلام خدا کی عبادت میں بالاترین منزل اور اعلی ترین مرتبہ پر فائز تھے لیکن جب آپؑ سے یہ پوچھا گیا کہ آپ کی عبادت اور آپ کے جد [علی مرتضی علیہ السلام] کی عبادت میں کتنا فرق ہے؟ تو حضرت نے فرمایا: میری اور میرے جد کی عبادت میں وہی نسبت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عبادت اور میرے جد [علی مرتضی] کی عبادت میں نسبت تھی۔[2]

ماہ رجب کے سلسلہ میں اہلبیت اطہار علیہم السلام نے بہت زیادہ سفارش کی ہے اور اس ماہ میں گناہوں کی بخشش و مغفرت اور خداوند متعال سے قربت حاصل کرنے کیلئے بے شمار اعمال و دعائیں بیان کی ہیں۔

مرسل اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ رجب کے سلسلہ میں فرمایا کہ رجب میری امت کیلئے استغفار کا مہینہ ہے لہذا اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ استغفار کرو کہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے،[3]

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ رجب کو "اصبّ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس ماہ میں میری امت پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا۔[4]

---

[1]. شرح رسالۃ الحقوق، الإمام زین العابدین (ع)، ص ۳۰۵۔

[2]. النوادر للأشعری، ص ۱۷ ح ۲ و بحار الأنوار، ج ۹۷ ص ۳۸ ح ۲۴ و منتخب نہج الذکر، ج ۱ ص ۵۴۴۔

[3]. النوادر للأشعری، ص ۱۷ ح ۲ و بحار الأنوار ج ۹۷ ص ۳۹ ح ۲۴۔

[4]. حکمت نامہ پیامبر اعظم صلّی اللہ علیہ و آلہ و سلّم ۱۴، ج ۱۴ اص ۱۷۲۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا «رجب شهر الاستغفار لأُمّتي، فأكثروا فيه الاستغفار فإنه غفور رحيم ويسمى رجب الاصبّ لانّ الرحمة على أُمّتي تصبُّ فيه صَبّا .فاستكثروا من قول "أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَسْأَلُهُ التَّوْبَةَ"[1] »

ماہ رجب میری امت کیلئے استغفار کا مہینہ ہے لہذا اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ استغفار کرو، خدا سے بخشش طلب کرو کہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے نیز رجب کو اصبّ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس ماہ میں میری امت پر کثرت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

ایک شخص نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے سامنے استغفار کیا یعنی «استغفر الله» کہا تو حضرت نے فرمایا: تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، استغفار بلند ترین لوگوں کا مقام ہے اور اس کے مفہوم میں چھ چیزیں شامل ہیں:

۱۔ اپنے ماضی پر شرمندگی۔

۲۔ آئندہ نہ کرنے کا عزم محکم۔

۳۔ مخلوقات کے حقوق کا ادا کر دینا کہ اس کے بعد یوں پاک دامن ہو جائے کہ کوئی مواخذہ نہ رہ جائے۔

۴۔ جس فریضہ کو ضائع کر دیا ہے اسے پورے طور پر ادا کر دینا۔

۵۔ حرام مال سے جو گوشت بنا ہے اسے رنج و غم سے پگھلا دینا یہاں تک کہ کھال ہڈیوں سے چپک جائے اور نیا گوشت پیدا ہو جائے

۶۔ جسم کو ویسے ہی اطاعت کا مزہ چکھانا جس طرح معصیت سے لطف اندوز کیا ہے۔

"فعند ذلكَ تقولُ: أستَغْفِرُ الله" پھر اس کے بعد کہو «استغفر اللہ»۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ اس مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: « مَن أَكَلَ لُقمَةَ حرامٍ لَم تُقبَل لَهُ صَلاةٌ أربعينَ لَيلَةً، وَلَم تُستَجَب لَهُ دَعوَةٌ أربعينَ صَباحاً، وَكُلُّ لَحمٍ يُنبِتُهُ الحَرامُ فَالنّارُ أَولى بِهِ، وَ إنَّ اللُّقمَةَ الواحِدَةَ تُنبِتُ اللَّحمَ[2] .

جس شخص نے ایک لقمہ حرام کھایا چالیس دن تک اس کی نماز و دعا قبول نہ ہوگی اور اس لقمہ حرام سے جو گوشت بنے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور یاد رکھو کہ ایک لقمہ سے بھی کسی نہ کسی مقدار میں گوشت ضرور روئیدہ ہوتا ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ایک لقمہ انسان کے بدن میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

---

[1]. علامہ مجلسی، محمد باقر، زاد المعاد، ص ۵۔

[2]. علامہ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ج ۶۶ ص ۳۱۳ ح ۷۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ایک لقمہ حرام کا یہ اثر ہے توپھر جو لوگ صبح و شام لقمہ حرام ہی پر گذارا کرتے رہتے ہیں، ان کی عبادتوں اور دعاؤں کا انجام کیا ہو گا، ایسے لوگوں کا فرض ہے کہ دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا شکوہ کرنے کے بجائے دعاؤں کی قبولیت کا انتظام کریں تاکہ پروردگار ان کی دعاؤں کو قبول کر سکے اور ان کی نمازوں کا اجرو ثواب دے سکے، ورنہ صحیح نماز عذاب سے تو محفوظ رکھ سکتی ہے مگر جنت کا حقدار نہیں بنا سکتی ہے۔

معصومین علیہم السلام کے بیانات میں بہشت کے لئے صحیح عمل انجام دینے کی گفتگو نہیں ہے بلکہ قابل قبول عمل انجام دینے کی تاکید ہے اور صحیح اور مقبول عمل کا بنیادی فرق یہ ہے کہ صحیح ہونے کیلئے عمل کے شرائط اور واجبات کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں کوتاہی نہ ہوئی ہو لیکن مقبول عمل کیلئے عمل کے صحیح ہونے کے علاوہ تقویٰ اور اخلاص کو بھی دیکھا جائے گا کیوں کہ پروردگار متقین کے علاوہ کسی کے عمل کو قبول نہیں کرے گا کیوں کہ اس نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا ہے «إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ؛ خدا فقط متقین کے اعمال کو قبول کرے گا۔»[1] اور انہیں کے اعمال اجرو ثواب کے حقدار نیز درجات کی بلندی کا وسیلہ و ذریعہ ہوں گے۔

ابن بابویہ معتبر سند کیساتھ سالم سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں رجب کے اخری دنوں میں چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو آپؑ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اس ماہ میں روزہ رکھا؟ میں نے عرض کیا فرزند رسول [صلی اللہ علیہ والہ وسلم] واللہ نہیں! تو آپؑ نے فرمایا کہ تم عظیم ثواب سے محروم رہے کہ جسکی مقدار خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جسکی فضیلت و حرمت تمام مہینوں سے زیادہ اور بالاتر ہے اور خدا نے اس ماہ میں روزہ رکھنے والوں کا احترام اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے، سالم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا! فرزند رسول ﷺ، اگر میں بچے ہوئے دنوں میں روزہ رکھوں تو کیا مجھے وہ ثواب ملے گا؟ تو آپؑ نے فرمایا: اے سالم! رجب کے اخری دنوں میں روزہ رکھنے والوں کیلئے خداوند متعال نے کچھ خاص فضائل رکھے ہیں[2] :

۱: موت کی سختی، قبر کی وحشت اور عذاب قبر سے بچاو ۔ ۲: پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزرنا۔

۳: قیامت کے خوف اور اس دن کی وحشت محفوظ رہنا ۔ ۴: جہنم کی آگ سے آزادی کا پروانہ۔

---

[1]. قرآن کریم، سورہ مائدہ، ایت ۲۷

[2] ۔ مفاتیح الجنان

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر ماہ رجب میں روزہ رکھنے والے کو زمین کی وسعت کے بقدر بھی سونا دیا جائے تو اس ماہ کے روزہ کے ثواب کی برابری نہیں کرسکتا، اس ماہ کے روزہ کی جزاء، دنیا کی کسی بھی چیز سے قابل مقایسہ نہیں ہے۔[1]

ثوبان نامی شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قبرستان میں تھا کہ آپؐ چلتے چلتے رک گئے پھر کچھ قدم چلے اور رک گئے، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے اس عمل کی وجہ کیا ہے؟ تو آپؐ زور سے زور سے رونے لگے اور فرمایا میں اہل عذاب کے رونے کی آوازیں سن رہا ہوں، ان پر رحم کی دعا کی تو خداوند متعال نے ان کے عذاب میں کمی کردی، اے ثوبان! اس قبرستان میں عذاب الٰہی کے شکار مُردوں نے اگر ماہ رجب میں فقط ایک روزہ رکھا ہوتا اور ایک شب صبح تک عبادت میں گزاری ہوتی تو آج قبر میں عذاب نہ ہو رہا ہوتا۔[2]

یہ تمام فضائل و کمالات اس ماہ یعنی رجب میں روزہ رکھنے والوں کیلئے ہیں لیکن اگر کوئی روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو روایتوں میں اس تسبیح پڑھنے کی تاکید ہے "سُبْحانَ الْإِلٰهِ الْجَلِيلِ سُبْحانَ مَنْ لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ سُبْحانَ الْأَعَزِّ الْأَكْرَمِ سُبْحانَ مَنْ لَبِسَ الْعِزَّ وَهُوَ لَهُ أَهْلٌ؛

پاک ہے وہ معبود اور بڑی شان والا ہے، پاک ہے وہ کہ جس کے سوا کوئی لائق تسبیح نہیں، پاک ہے وہ جو بڑا عزت والا اور بزرگی والا ہے، پاک ہے وہ جو لباس عزت میں ملبوس ہے اور وہی اس کا اہل ہے۔"

اگر کوئی ہر دن سو مرتبہ اس تسبیح کو پڑھے تو اسے اس ماہ میں روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔[3]

ابو سعید خدری نے مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کوئی ان اعمال کو انجام نہ دے سکے تو کیا کرے تو امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی ماہ رجب میں روزہ نہ رکھ سکے تو وہ صدقہ دے کہ خداوند متعال قیامت میں اسے اس قدر ثواب عنایت کرے گا کہ جسے نہ انکھوں نے دیکھا ہوگا اور نہ کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی ذھن نے تصور کیا ہوگا۔[4]

اور پھر حضرتؑ نے فرمایا "ماہ رجب میں ہر دن فقیروں کو ایک روٹی صدقہ دو، قسم اس خدا کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں جان ہے کہ اگر اس ماہ میں ہر دن صدقہ دیا جائے تو صدقہ دینے والے کو ماہ رجب کیلئے بیان کردہ فضائل سے بھی زیادہ ثواب اور فضیلت نصیب ہوگی۔[5]

---

[1] ۔ امالی صدوق، ص ۵۳۴

[2] ۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۲۶.

[3] ترجمہ ثواب الاعمال، ص ۱۳۶

[4] مالی صدوق، ص ۵۴۲

[5] ۔ وسائل الشیعۃ، ج ۱۰، ص ۴۸۳

# رجب ماہِ خود سازی و تہذیب نفس

حجۃ الاسلام ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی

رجب المرجب وہ مہینہ ہے جس میں بندوں پر خداوند متعال کی لامحدود رحمتیں نازل ہوتی ہیں، یہ ایک ایسا فضیلتوں والا مہینہ ہے جسے رب تعالیٰ نے بہترین مہینوں میں سے متعارف کرایا، اور اس مہینے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں **لیلۃ المبیت** یعنی تمناؤں کی رات کو قرار دیا ہے۔

رجب کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «**رجب شہر اللہ وشعبان شہری و رمضان شہر امتی**»[1] ماہ رجب خدا کا مہینہ ہے، ماہ شعبان میرا مہینہ ہے، اور رمضان المبارک کا مہینہ میری امت کا مہینہ ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کے اِس قول کا کیا مطلب ہے کہ رجب کا مہینہ خدا کا مہینہ ہے؟ تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیونکہ رجب کا مہینہ بخشش کے لئے مخصوص ہے۔ اور اس مہینے میں خون نہیں بہایا جاتا (دوران جاہلیت میں بھی رجب کا مہینہ حرمت والے مہینوں میں شمار ہوتا تھا اور اس میں جنگ و خونریزی روک دی جاتی تھی) اور اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اولیاءِ کرام اور اُن کے چاہنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے اور انکی توبہ کو قبول کرتا ہے، اور انہیں ان کے دشمنوں سے بچا تا کرتا ہے۔

رجب کا مہینہ ذات اقدس الٰہ سے عشق ورزی اور معنوی زندگی کے رشد و نمو کا موسم اور دل و جان کو گناہوں اور غفلتوں کی زنگ سے پاک کرنے اور خداوند متعال کی مہمانی (ماہ رمضان) میں داخل ہونے کی تیاری کا مہینہ ہے۔

ماہ رجب کی حرمت پر نظر رکھنے والے اور اس کے اعمال بجالانے والوں کو "رجبیون" کہا جاتا ہے۔ یقیناً قیامت کے دن ایک فرشتہ پکارے گا: «**این الرجبیون**» کہاں ہیں وہ لوگ جنھوں نے ماہ رجب کی تعظیم کی اور اس پر عمل کیا۔

## ماہ رجب روایاتِ اہل بیتؑ کی روشنی میں

۱۔ حدیث قدسی: **جَعَلتُ هذَا الشَّهرَ (رَجَبَ) حبلاً بَینی وبَینَ عِبادی فَمَنِ اعتَصَمَ بِهِ وَصَلَ بِي**۔[2] میں نے رجب کے مہینے کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان ایک رسی (حلقہ وصل) قرار دیا ہے۔ جو اسے تھامے گا، میرے وصال تک پہنچ جائے گا۔

---

[1]۔ وسائل الشیعہ، ج۱۰، ص ۴۸۰

[2]۔ اقبال الأعمال، سید ابن طاوس، ج ۳، ص ۱۷۴۔

۲۔ حدیث قدسی: الشَّهرُ شَهری و العَبدُ عَبدی و الرَّحمَۃُ رَحمَتی فَمَن دَعانی فی هذَا الشَّهرِ أجَبتُهُ و مَن سَألَنی أعطَیتُهُ۔[1] مہینہ (رجب) میرا مہینہ ہے، بندہ، میرا بندہ ہے، اور رحمت میری رحمت ہے۔ پس جو اس مہینے میں مجھے پکارے گا میں اُسے جواب دوں گا اور جو مجھ سے مانگے گا اسے عطا کروں گا۔

ماہ رجب کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: رَجَبٌ شَهرُ اللهِ الأصَبُّ یَصُبُّ اللهُ فِیهِ الرَّحمَۃَ عَلی عِبادِهِ۔[2] رجب رحمت الٰہی کے نزول کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں اپنے بندوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

ماہ رجب کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنَّ فی الجَنَّۃِ قَصراً لایَدخُلُهُ إلاّ صُوّامُ رَجَبٍ۔[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سلم نے فرمایا: بیشک جنت میں ایک محل ہے جس میں صرف ماہ رجب کے روزے رکھنے والے ہی داخل ہونگے۔

ماہ رجب کے بارے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے: رَجَبٌ شَهرٌ عَظیمٌ یُضاعِفُ اللهُ فیهِ الحَسَناتِ و یَمحُو فیهِ السَّیِّئاتِ۔[4] رجب کا مہینہ ایک عظیم مہینہ ہے جس میں نیکیوں کا (ثواب) کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور اس مہینے میں انسان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: رجب نهر فی الجنه اشد بیاضا من اللبن و احلی من العسل فمن صام یوما من رجب سقاه الله من ذلك النهر۔[5] رجب جنت میں ایک نہر کا نام ہے جسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیرین ہے، جو شخص ماہ رجب میں ایک دن روزہ رکھے گا، خدا اُسے اِس نہر سے سیراب کرے گا۔ نیز امام کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ انسان سال میں یہ چار راتیں عبادت کے لئے وقف کردے: ا۔ عید الفطر کی رات، عید الاضحیٰ کی رات۔ نیمہ شعبان کی رات اور پہلی رجب کی رات، بارالٰہا! مجھے معاف فرما، کیونکہ مجھے معاف کرنے سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور مجھے عطا فرما، کیونکہ عطا کرنے سے تیرے پاس کوئی کمی نہیں ہوگی۔ کیونکہ تو وہ ہے جس کی رحمت لامتناہی ہے اور جس کی حکمت کا کوئی بدیل نہیں ہے۔

---

[1] ۔ اقبال الأعمال، سید ابن طاؤس، ج ۳، ص ۱۷۴۔

[2] ۔ میزان الحکمۃ، محمد محمدی ری شہری، ج ۴، ص ۱۹۷۔

[3] ۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج ۹۴، ص ۴۷۔

[4] ۔ من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، ج ۲، ص ۹۲۔

[5] ۔ من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، ج ۲، ص ۹۲۔

## ماہ رجب کے اعمال

ماہ رجب کے اعمال میں دو قسم کے اعمال ہیں ایک وہ جو ہر روز کے مشترکہ اعمال ہیں اور کسی خاص دن کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں اور دوسرے وہ اعمال جو مخصوص دنوں سے مربوط ہیں۔

## ماہ رجب سے مختص نمازیں

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ جو شخص ماہ رجب کی کسی ایک رات میں دس رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں حمد "اور" قل یا ایہا الکفرون "ایک ایک بار اور" توحید" تین مرتبہ پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

۲۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رجب کے مہینے کی ایک رات میں دو رکعت نماز ادا کرے کہ اس میں سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو وہ ایسے ہے کہ جیسے اس نے حق تعالیٰ کیلئے سو سال کے روزہ رکھے ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو بہشت میں ایسے سو محلات عنایت کرے گا کہ جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی نبیؑ کی ہمسائیگی میں واقع ہوگا۔

۳۔ نیز روایت ہے کہ جو شخص ماہ رجب میں ایک دن روزہ رکھے اور چار رکعت نماز ادا کرے کہ جس کی پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سو مرتبہ آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد دو سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو وہ شخص مرنے سے پہلے جنت میں اپنا مقام خود دیکھ لے گا۔ یا اُسے جنت میں اس کا مقام دکھایا جائے گا۔[1] نیز نماز سلمان پڑھنے کی بھی سفارش کی گئی ہے۔[2]

## ماہ رجب میں روزہ رکھنے کا ثواب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اِس پورے مہینے کے روزے رکھے گا اُسے اللہ کی طرف سے تین چیزیں عطا ہونگی۔ ۱۔ اس کے پچھلے تمام گناہوں کی بخشش ہوگی۔ ۲۔ آگے باقی بچی زندگی کے لئے مصونیت حال رہے گا۔ ۳۔ قیامت کے دن پیاس سے نجات حاصل ہوگی۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو کشتی پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو اس دن روزہ رکھے گا اس سے جہنم کی آگ ایک سال کی مسافت کے برابر دور ہو جائے گی، اور جو شخص اس مہینے میں سات روزے رکھے اس پر جہنم کے سات دروازے بند کر دیئے جائیں گے، اور اگر کوئی آٹھ روزے رکھے تو اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور اگر کوئی اس مہینے میں پندرہ دن روزے رکھے گا تو خدا اس کی خواہشات کو پورا کرے گا، اور جو شخص اس سے زیادہ روزے رکھے گا تو خداوند متعال اس سے مزید اس کو عطا کرے گا۔

---

[1]۔ مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، ص ۱۳۷۔۔

[2]۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ۱۴۱۱، ص ۸۱۸-۸۱۷، جواد ملکی تبریزی، المراقبات، ص ۱۴۲.

نیز اس مہینے کے تین دن یعنی جمعرات، جمعہ اور ہفتہ، روزہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ جو شخص حرمت والے مہینوں میں سے کسی ایک میں یہ تین دن روزے رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے نو سو سال کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ابن بابویہؒ نے معتبر سند کے ساتھ سالم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں اواخر رجب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اس مہینے میں روزہ رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا فرزند رسول! واللہ نہیں! تب فرمایا کہ تم اس قدر ثواب سے محروم رہے ہو کہ جسکی مقدار سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ مہینہ ہے جسکی فضیلت تمام مہینوں سے زیادہ اور حرمت عظیم ہے اور خدا نے اسمیں روزہ رکھنے والے کا احترام اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ میں نے عرض کیا اے فرزند رسول! اگر میں اسکے باقی ماندہ دنوں میں روزہ رکھوں تو کیا مجھے وہ ثواب مل جائیگا؟ آپ نے فرمایا: اے سالم! آگاہ رہو کہ جو شخص آخر رجب میں ایک روزہ رکھے تو خدا اس کی موت کی سختیوں اور بعد از موت کی ہولناکی اور عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا، جو شخص آخر ماہ میں دو روزے رکھے وہ پل صراط سے بہ آسانی گزر جائے گا اور جو آخر رجب میں تین روزے رکھے اسے قیامت میں سخت ترین خوف، تنگی اور ہولناکی سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو جہنم کی آگ سے آزادی کا پروانہ عطا ہو گا۔

**جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت**

رجب کے مہینے میں تین دن یعنی جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو روزہ رکھے کیونکہ روایت ہوئی ہے کہ جو محترم مہینوں کے ان دنوں میں روزہ رکھے تو حق تعالیٰ اس کو نو سو برس کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔

**کثرت سے استغفار کرنا**

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رجب کا مہینہ میری امت کے لئے بخشش طلب کرنے کا مہینہ ہے، لہٰذا اس مہینے میں استغفار کرو، کیونکہ خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور رجب کو "اصب" کہا جاتا ہے۔ اس مہینے میں میری امت پر خدا کی رحمتیں سرا زیر ہوتی رہتی ہیں، لہٰذا کثرت سے استغفار کرو اور کہو: «أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَسْأَلُهُ التَّوْبَةَ» نیز مروی ہے کہ جو شخص رجب کے مہینے میں صبح شام ستر، ستر مرتبہ۔ «اَسْتَغْفِرُ اللهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ» پڑھے اور پھر اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَ تُبْ عَلَيَّ» کہے تو اگر وہ اس مہینے میں مر جائے تو حق تعالیٰ اُس ماہ کی برکت سے اس سے راضی ہو گا اور آتش جہنم اُسکے نزدیک نہیں آسکتی۔

**استغفار اور صدقہ**

رسول اللہؐ سے مروی ہے کہ جو شخص ماہ رجب میں سو مرتبہ کہے: «اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ». اور اس کے بعد صدقہ دے تو حق تعالیٰ اس پر اپنی تمام تر رحمت و مغفرت نازل کرے گا اور جو اُسے چار سو مرتبہ پڑھے گا تو خدا اسے سو شہیدوں کا اجر دے گا۔

رجب کے پورے مہینے میں ہزار مرتبہ ذکر پڑھے تا کہ حق تعالیٰ اس کو بخش دے «اَسْتَغْفِرُ اللهَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ مِنْ جَمِيعِ الذُّنُوبِ وَالْآثَامِ»۔

**ماہ رجب میں پڑھی جانے والی دعائیں**

۱۔ رجب کے پورے مہینے میں یہ دعا پڑھتے رہنا چاہئے، روایت ہے کہ یہ دعا امام زین العابدین علیہ السلام نے ماہ رجب میں حجر کے مقام پر پڑھی۔ یامن یملك حوآئج السآئلين ويعلم ضمير الصامتين لكل مسئلة منك سمع حاضر جواب عتيد اللهم ومواعيدك الصادقة واياديك الفاضلة و رحمتك الواسعة فاسلك ان تصلى على محمد وال محمد وان تقضى حوائحى للدنيا والاخرة انك على كل شىء قدير

۲۔ یہ دعا بھی ہر روز پڑھنا چاہئے کہ جسے امام جعفر صادق علیہ السلام رجب میں ہر روز پڑھا کرتے تھے:

خاب الوافدون على غيرك وخسر المتعرضون الالك وضاع الملمون الابك واجدب المنتجعون الامن انتجع ففضلك بابك مفتوح للراغبين وخيرك مبذول للطالبين وفضلك مباح للسآئلين ونيلك متاح للاملين ورزقك مبسوط لمن عصاك وحلمك معترض لمن ناواك عادتك الاحسان الى المسيئين وسبيلك الابقآء على المعتدين اللهم فاهدنى هداية المهتدين وارزقنى اجتهاد المجتهدين ولا تجعلنى من الغافلين المبعدين واغفرلى يوم الدين»

۳۔ شیخ نے مصباح میں فرمایا ہے کہ معلی بن خنیس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ماہ رجب میں یہ دعا پڑھا کرو: «اللهم انى اسئلك صبر الشاكرين لك وعمل الخائفين منك ويقين العابدين لك اللهم انت العلى العظيم وانا عبدك البآئس الفقير انت الغنى الحميد وانا العبد الذليل اللهم صلى محمد واله وامنن بغناك على فقرى وبحلمك على جهلى وبقوتك على ضعفى ياقوى ياعزيز اللهم صل على محمد واله الاوصيآء المرضيين واكفنى ما اهمنى من امر الدنيا والاخرة ياارحم الراحمين»

۴۔ سید بن طاؤس نے محمد بن ذاکوان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں یہ ماہ رجب ہے، مجھے کوئی دعا تعلیم کیجئے کہ حق تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے فائدہ عطا فرمائے۔

آپ نے فرمایا کہ لکھو اور رجب کے مہینے میں ہر روز یہ دعا پڑھا کرو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم: یامن ارجوه لکل خیر وامن سخطه عند کل شر یامن یعطی الکثیر بالقلیل یامن یعطی من سئله یامن یعطی من لم یسئله ومن لم یعرفه تحننا منه ورحمة اعطنی بمسئلتی ایاك جمیع الخیر الدنیا وجمیع خیر الاخرة واصرف عنی بمسئلتی ایاك جمیع شر الدنیا وشر الاخرة فانه غیر منقوص ما اعطیت وزدنی من فضلك یا کریم۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنی ریش مبارک کو داہنی مٹھی میں لیا اور اپنی انگشت شہادت کو ہلاتے ہوئے نہایت گریہ وزاری کی حالت میں یہ دعا پڑھی: یاذا الجلال والاکرام یاذا النعمآء والجود یا ذا المن والطول حرم شیبتی علی النار۔

**پندرہ رجب کا دن**

پندرہ رجب کا دن، بڑا ہی مبارک دن ہے اور اس دن میں چند مخصوص اعمال بجالانے کی تاکید کی گئی ہے:

**۱۔ غسل کرنا**

**۲۔ امام حسین علیہ السلام کی زیارت بجالانا:** ابن بی نصر سے روایت ہے کہ میں امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ کس مہینے میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کروں؟ آپ نے فرمایا کہ پندرہ رجب اور پندرہ شعبان کو امام حسین علیہ السلام کی زیارت کیا کرو

**عمل ام داؤد بجالانا**

**۵۔ عمل ام داؤد** ۱۵ رجب کا خاص عمل ہے جو حاجات کی بر آوری مصیبت کی دوری اور ظالموں کے ظلم سے بچاؤ کے لئے بہت مؤثر ہے، شیخ نے مصباح میں اس عمل کی کیفیت یوں لکھی ہے کہ عمل امّ داؤد کرنے کے لئے ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ رجب کو روزہ رکھے اور ۱۵ رجب کو زوال کے وقت غسل کرے زوال کے فوراً بعد نماز ظہر وعصر بجالائے کہ رکوع و سجود میں خوف اور عاجزی کا اظہار کرے اس وقت خلوص کی جگہ پر ہو، جہاں کوئی شخص اس سے بات نہ کرے، جب نماز سے فارغ ہو جائے تو قبلہ رو ہو کر اس طرح عمل انجام دے: سو مرتبہ سورہ الحمد، سو مرتبہ سورہ اخلاص اور دس مرتبہ آیت الکرسی، اس کے بعد یہ سورتیں پڑھے: سورہ انعام، سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف سورہ لقمان، سورہ یٰسین، سورہ صافات، سورہ حم سجدہ، سورہ حمعسق، سورہ حمٓ دخان، سورہ فتح، سورہ واقعہ، سورہ ملک، سورہ نون، سورہ انشقاق اور اس کے بعد قرآن کی آخری سورۃ تک مسلسل پڑھے اور پھر قبلہ رخ ہو کر عمل امّ داؤد کی مخصوص دعا پڑھے جو مفاتیح الجنان اور دعاؤں کی دوسری کتابوں میں ذکر ہوئی ہے۔

**ستائیویں رات (عید مبعث)**

غسل کرنا، زیارت امیر المومنینؑ، ۱۲ رکعت نماز جس کی ہر رکعت میں سورہ حمد، فلق اور ناس کو ایک ایک بار اور سورہ اخلاص کو چار مرتبہ پڑھی جائے اور نماز کے اختتام پر یہ کہا جائے: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر الحمد للہ وسبحان اللہ ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ اس رات کو "لیلۃ المحیا" بمعنائے بیداری کی رات سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

**ستائیس رجب کا دن:** غسل کرنا، روزہ رکھنا، صلوات بھیجنا، زیارت امیر المومنینؑ بجالانا، زیارت پیغمبر اکرمؐ بجالانا، ۱۲ رکعت نماز جس کی ہر رکعت میں سورہ حمد اور یس کو ایک ایک مرتبہ اور نماز کی اختتام پر چار مرتبہ سورہ حمد اور چار مرتبہ یہ پڑھی جائے: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ وسبحان اللہ ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کے بعد چار بار یہ کہا جائے: "اللہ ربی لا اشرك به شيئاً۔[2]

**زیارت امام رضاؑ اور عمرہ ادا کرنے کی فضیلت**

یاد رہے کہ ماہ رجب میں امام علی رضاؑ کی زیارت کو جانا مستحب ہے، جیسا کہ اس ماہ میں عمرہ ادا کرنے کی بھی زیادہ فضیلت ہے اور عمرہ کی فضیلت حج کے قریب قریب ہے روایت ہوئی ہے کہ امام زین العابدینؑ ماہ رجب میں عمرہ ادا فرماتے، خانہ کعبہ میں نمازیں پڑھتے شب و روز سجدے میں رہتے اور سجدے میں یہ کلمات ادا فرماتے۔ «عَظُمَ الذَّنبُ مِنْ عَبْدِكَ فَلْيَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِكَ»۔ تیرے بندے کا گناہ بہت بڑا ہے پس تیری طرف سے درگزر بھی خوب ہونی چاہیئے. نیز ماہ رجب کے مزید اعمال و اوراد کو جاننے کے لئے مفاتیح الجنان شیخ عباس قمی[3] اور دیگر کتب ادعیہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

پس رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ماہ رجب میں ایمان و اخلاص کے ساتھ رکھا گیا ایک دن کا روزہ بھی خدا کی عظیم خوشنودی کے حصول اور اسکے غضب کو ٹھنڈا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور اخلاص کے ساتھ رکھا گیا یہ ایک روزہ اس مخلص روزہ دار پر جہنم کا ایک دروازہ بند کر دیتا ہے، اور اگر دنیوی ترازو میں اس روزے کے وزن کو تولا جائے تو فرش زمین کے برابر سونا بھی اس روزے سے افضل نہیں ہو سکتا بس شرط یہ ہے کہ انسان کا یہ عمل خالصۃً للہ اور بس اُسکا قرب حاصل کرنے کے لئے انجام دیا گیا ہو، رجب میں انجام دئے گئے اعمالِ خالصہ اور رکھے گئے روزوں کا موازنہ دوسری دنیوی نیکیوں سے نہیں کیا جا سکتا، اور یہ سب اہتمام جو ماہ رجب اور شعبان سے کیا جا رہا ہے یہ صرف ضیافت الٰہی میں داخل ہونے کی تیاری ہے تاکہ انسان اپنے آپ کو اسلائق بنالے کہ پاک و پاکیزہ اور تہذیب یافتہ نفس کے ساتھ مہمانی خدا والے مہینے (رمضان المبارک) میں داخل ہو کر اُس مہینے کی برکتوں سے بہرہ مند ہو سکے، اور تہذیب نفس کے اس سہ ماہہ موسم میں تقوائے الٰہی کا لبادہ زیب تن کرلے۔ آخر میں خداوند متعال کی بارگاہ دست بہ دعا ہیں کہ ہم سب کو اِن پر فیض و برکت ایام سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

---

[1] دائرۃ المعارف تشیع، ج ۸، ص ۱۷۶۔

[2] ثواب الاعمال، ص ۸۱؛ امالی صدوق، ص ۴۳۲۔

[3] مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، ص ۱۳۷۔

# امام علی نقی علیہ السلام کے زرین اقوال

عَنۡ یَعۡقُوبِ بۡنِ السِّکیتِ، قالَ: سَألۡتُ أبَاالۡحَسَنِ الۡهادی ما بالُ الۡقُرۡآنِ لا یَزۡدادُ عَلَی النَّشۡرِ وَالدَّرۡسِ إلاّ غَضاضَة؟ قالَ (ع): إنَّ اللهَ تَعالی لَمۡ یَجۡعَلۡهُ لِزَمان دُونَ زَمان، وَلالِناس دُونَ ناس، فَهُوَ فی کُلِّ زَمان جَدیدٌ وَعِنۡدَ کُلِّ قَوۡم غَضٌّ إلی یَوۡمِ الۡقِیامَةِ.[1]

حضرت امام علی نقیؑ کے ایک صحابی ابن سکیت کہتے ہیں کہ میں نے امامؑ سے سوال کیا کہ کیاوجہ ہے کہ قرآن مجید نشر واشاعت درس و بحث سے مزید ترو تازہ ہوجاتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے کسی خاص زمانے اور خاص افراد سے مخصوص نہیں کیاہے وہ ہر زمانے میں نیااور قیامت تک ہر قوم و گروہ کے پاس ترو تازہ رہے گا۔

قَالَ الإمَامُ عَلِیِّ النَقِیِّ یَأتی عَلماءُ شیعَتِنا الۡقَوّامُونَ بِضُعَفاءِ مُحِبّینا وَ أهۡلِ وِلایَتِنا یَوۡمَ الۡقِیامَةِ، وَالأنۡوارُ تَسۡطَعُ مِنۡ تیجانِهِمۡ.[2]

امام علی نقیؑ نے فرمایا: ہمارے شیعہ علماء جو ہمارے کمزور محبوں اور ہماری ولایت کا اقرار کرنے والوں کی سرپرستی کرتے ہیں بروز قیامت اس انداز میں وارد ہوں گے کہ ان کے سر کے تاج سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہوں گی۔

قَالَ الإمَامُ عَلِیِّ النَقِیِّ: إنَّ الۡحَرامَ لا یَنۡمی، وَإنۡ نَمی لا یُبارَكُ فیهِ، وَما أنۡفَقَهُ لَمۡ یُؤۡجَرۡ عَلَیۡهِ، وَما خَلَّفَهُ کانَ زادَهُ إلَی النّارِ.[3]

امام علی نقیؑ نے فرمایا: حرام (چیز) رشد و نمو نہیں کرتی اور اگر رشد و نمو کرے بھی تو اس میں برکت نہیں ہوتی، اگر اسے انفاق کر دیا جائے تو کوئی اجر و ثواب نہیں ملتا اور اگر (ورثہ میں) چھوڑ جائے تو جہنم کی زادراہ بن جاتی ہے۔

قَالَ الإمَامُ عَلِیِّ النَقِیِّ (عَلَیهِ السَّلَامُ): مَنۡ رَضِیَ عَنۡ نَفۡسِهِ کَثُرَ السّاخِطُونَ عَلَیۡهِ[4]

امام علی نقیؑ نے فرمایا: جو اپنے آپ سے راضی و خوشنود ہوتا ہے اس پر غصہ کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے۔

قَالَ الإمَامُ عَلِیِّ النَقِیِّ إنَّ لِشیعَتِنا بِوِلایَتِنا لَعِصۡمَةٌ، لَوۡ سَلَکُوا بِها فی لُجَّةِ الۡبِحارِ الۡغامِرَةِ.

امام علی نقیؑ نے فرمایا فرمایا: ہمارے شیعوں کے لئے ہماری ولایت پناہ گاہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اتھاہ سمندروں کی موجوں میں بھی چل سکتے ہیں

---

[1] ۔ امالی؛ شیخ طوسی، ج ۲، ص ۵۸۰، ح ۸۔

[2] ۔ امالی؛ شیخ طوسی، ج ۲، ص ۵۸۰، ح ۸۔

[3] ۔ بحار الانوار: ج ۶۹، ص ۳۱۶، ح ۲۴۔

[4] ۔ بحار الانوار: ج ۵۰، ص ۲۱۵، ح ا، س ۱۸۔

# حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور احیائے حدیث

ظہور مہدی مولائی

خلاصہ :

سرکار مرسل اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانکاہ رحلت کے بعد اہل سقیفہ نے اپنے مادی و حکومتی مقاصد حاصل کرنے کے لئے بہت سے شنیع اعمال انجام دیئے تھے، جن میں سے ایک خطرناک عمل "سرکار مرسل اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث کی تبیین ، تحریر اور تدوین کی ممانعت" تھا۔

یہ عمل پہلے خلیفہ کے دور (۱۱ہجری) سے شروع ہوکر بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ عمر ابن عبد العزیز کے ابتدائی دور (۹۹ہجری) تک جاری و ساری رہا، اور ۱۰۰ہجری میں عمر ابن عبد العزیز کے حکم سے یہ ممانعت ختم ہوئی اور اس نے حاکم مدینہ ابو بکر ابن حزم کو خط لکھا کہ احادیث رسول کو لکھا جائے چونکہ علم اور اہل علم کے مٹ جانے کا خوف ہے[1]۔

اس کے بعد کے بقیہ اموی خلفاء سیاسی کشمکشوں اور اپنے خلاف ہونے والے قیاموں اور سورشوں میں گرفتار ہو گئے اور پھر حدیث کی تبیین، تحریر اور تدوین پر پابندی عائد نہ کر سکے، جس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر حجت خداوند متعال، فرزند رسول، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے شب و روز احادیث رسول کے احیا و انتشار کے لئے وقف فرمادیئے اور اپنی انتھک محنتوں کی وجہ سے سرکار مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ناب کے ایک بڑے ذخیرہ کو امت اسلامی کے اہل، افراد تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔

کلیدی کلمات :

امام محمد باقر علیہ السلام، احیائے حدیث، عمر ابن عبد العزیز، تدوین حدیث، زرارہ، سدیر صیرفی۔

مقدمہ:

حقیقت یہ ہے کہ سقیفائی خلفاء نے اپنی نو مولود خلافت و حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے جہاں بہت سے غیر دینی رکیک اور خطرناک کام انجام دیئے تھے، وہیں ایک خطرناک کام یہ بھی انجام دیا تھا کہ قرآن حکیم کو کافی قرار دے کر سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث ناب کو نقل ، نشر اور بیان کرنے پر سختی سے پابندی لگادی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ جو احادیث رسول تحریری شکل میں موجود و محفوظ تھیں، انھیں بھی جلا ڈالا تھا، جیسا کہ اہل سنت کے معروف عالم ذہبی نے ام المومنین عائشہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

---

[1] ۔ بخاری، محمد ابن اسماعیل، صحیح بخاری، بیروت: دار الفکر، ۱۴۲۲ھ ق، ج۱، ص ۳۳۔

میرے بابا(ابوبکر) نے پیغمبر کی تمام موجود حدیثوں کو جمع کیا کہ جن کی تعداد پانچ سو تھی اور اس رات وہ صبح تک منقلب رہے اور انھیں نیند نہ آسکی تو میں نے اپنے بابا سے کہا: میں آپ کی اس حالت سے غمگین ہوں!! کیا آپ کو کوئی درد و مرض ہے جو اس طرح سے بستر پر کروٹیں بدل رہے ہیں؟

جب صبح ہوئی تو میرے بابا نے مجھ سے کہا: جو حدیثیں تمھارے پاس ہیں وہ سب مجھے لاکر دو!! جب میں نے انھیں وہ حدیثیں لاکر دیں تو انھوں نے ان سب حدیثوں کو جلا ڈالا!!۔[1]

خلیفہ اول کی تاسی کرتے ہوئے خلیفہ دوم نے بھی احادیث سوزی کا کام انجام دیا ہے اور ذہبی نے اسے بھی نقل کیا ہے لیکن اس کی جھوٹی اور بیہودہ توجیہ بھی بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

احادیث نبوی کی نشر و اشاعت خلیفہ دوم عمر ابن خطاب کے دور میں شدت اختیار کر گئی تھی تو عمر بن حطاب نے لوگوں کو قسم دی کہ جتنی روایات ان کے پاس ہوں وہ مجھے لاکر دیں، جب احادیث و روایات نبوی عمر کے پاس جمع ہوگئیں تو ان کو جلانے کا حکم دیا اور پھر لوگوں کی طرف رخ کرکے کہا: کیا تم بھی اہل کتاب کی طرح بننا چاہتے ہو!![2]۔

تبیین و تدوین حدیث پر پابندی کی توجیہات:

اہل سنت نے خلفاء کے منع تدوین حدیث کے سلسلہ میں متعدد توجیہات پیش کی ہیں، جن میں سے تین اہم توجیہات اور ان کا بطلان درج ذیل ہے:

**۱۔ حدیث و قرآن کا اختلاط:**

اہل سنت کی تدوین سنت و حدیث کے اس زمانہ میں جائز نہ ہونے کی ایک عمدہ دلیل یہ ہے کہ اگر اس دور میں یہ کام جائز ہوتا تو حدیث و قرآن باہم مخلوط ہوجاتے، جیسا کہ عمر ابن خطاب سے نقل ہوا ہے: "۔۔۔وانی لا واللہ لا البس کتاب اللہ بشیء ابداً"[3] یعنی قسم بخدا میں کتاب الہی کو کسی چیز سے مخلوط نہیں ہونے دوں گا۔

**اشکالات:**

الف: یہ توجیہ اس لئے درست نہیں ہے کہ قرآن عظیم نے بلااستثناء سب کو اپنا مثل اور جواب لانے کا چیلنج دیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسان و جن سب مل کر بھی اس کا جواب نہیں لاسکتے، چنانچہ اس آیہ کریمہ میں اس کا یہ چیلنج کل کی طرح آج بھی موجود ہے:

---

[1] . ذہبی، شمس الدین، طبقات الحفاظ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ ق، ج۱، ص۱۰۔

[2] . ذہبی، شمس الدین، سیر اعلام النبلاء، بیروت: موسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ ق، ج۵، ص۵۹۔

[3] . النجمی، محمد صادق، اضواء علی الصحیحین، قم: موسسۃ المعارف الاسلامیہ، ۱۴۱۹ھ ق۔

"قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا لقرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا"[1] فرما دیجئے! اگر تمام انسان وجنات اس کام پر ایکا کرلیں کہ وہ اس قرآن کا مثل لائیں تو بھی اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ (اس کام میں) ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کسی کا کلام چاہے کتنا بھی عظیم ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن) کے برابر اور مانند نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کا حدیث یا کسی اور کلام سے مخلوط ہونا بے معنیٰ ہے۔

ب: اس توجیہ کے ماننے سے تحریف قرآن لازم آتی ہے، جب کہ اللہ رب العزت نے صراحتاً فرمایا ہے: قرآن میں تحریف ممکن نہیں ہے "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون"[2] یقیناً ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

## ۲۔ قرآن کی مہجوریت ومتروکیت:

اہل سنت کے غزالی جیسے بڑے علماء کہتے ہیں کہ: اگر اس دور میں اس عمل پر پابندی نہ لگائی جاتی تو لوگ احادیث کی تدوین اور تبیین میں اس قدر مشغول ہوجاتے کہ قرآن سے غفلت اور دوری ہوجاتی[3]!!

### اشکال:

یہ توجیہ نہایت کمزور اور غلط اس لئے ہے کہ اگر احادیث کی تدوین وتبیین سے ایسا ہونا ہوتا تو معاذاللہ قرآن کو اب تک مٹ جانا چاہیئے تھا، چونکہ عمر ابن عبد العزیز کے دور سے لے کر آج تک ان کی تدوین، تبیین اور تبلیغ زور وشور سے ہوتی آرہی ہے، لیکن اس کے باوجود الحمد للہ قرآن پورا کا پورا اپنے مکمل اعجاز واعزاز کے ساتھ باقی ہے۔

## ۳۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہی وممانعت:

اہل سنت کی تدوین حدیث کے جائز نہ ہونے کی سب سے محکم دلیل خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے نہی اور منع کرنا ہے۔

اس حوالہ سے سب سے صحیح ترین روایت ابو سعید خدری سے نقل ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

تم میری طرف سے کوئی چیز نہ لکھو، اور جس نے میری جانب سے قرآن کے علاوہ کوئی چیز لکھی ہے وہ اسے محو کردے۔[4]

---

[1]. قرآن حکیم، پارہ ۱۵، سورہ اسراء، آیہ ۸۸۔
[2]. قرآن حکیم، پارہ ۱۴، سورہ حجر، آیہ ۹۔
[3]. اضواء علی الصحیحین، ص ۲۶۳۔
[4]. نیشاپوری، مسلم ابن حجاج، صحیح مسلم بشرح النووی، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۰۷ھ ق، ج ۱۸، ص ۱۲۹۔

## اشکالات:

اس دلیل پر بہت سے اشکالات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:[1]

الف: بخاری کی نگاہ میں یہ حدیث موقوف ہے، لہذا قابل احتجاج نہیں ہے۔[2]

ب: اس کے سلسلہ سند میں زید ابن اسلم داخل ہے کہ جسے ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے[3]

ج: حدیث، شاذ ہے، صحابہ نے اس پر عمل نہیں کیا ہے اور ان کی سیرت اس کے برخلاف تھی[4] چونکہ اگر گروہ صحابہ نے واقعاً اس پہ عمل کیا ہوتا تو آج شیعہ اور اہل سنت کے پاس اتنا بڑا ذخیرہ احادیث موجود نہ ہوتا!!۔

د: اس حدیث کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقط حدیث لکھنے سے منع کیا ہے، تو کیوں خلفاء نے زبان سے بھی حدیث نقل کرنے پر پابندی لگائی!!؟ اور مطلقاً یہ حکم دیا "فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً۔"[5]

ہ: اس حدیث میں زمان و مکان کی قید کے بغیر حدیث لکھنے سے روکا گیا ہے، تو پھر کیوں بخاری، مسلم، ابن ماجہ وغیرہ نے حدیث کی کتابیں لکھی ہیں!؟ اور کیوں اب تک اہل سنت میں اس کا سلسلہ زور و شور سے جاری و ساری ہے۔

## تدوین حدیث نبوی پر پابندی کی اصلی وجہ:

منع تدوین حدیث کی جتنی توجیہات بھی علمائے اہل سنت کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، وہ سب نہایت کمزور اور قابل بطلان ہیں، کہ جن کا بطلان شیعہ علماء نے محکم و متقن عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے اور اس انتہائی مضر پابندی کی اصل وجہ اس طرح بیان کی ہے:

علامہ سید علی شہرستانی کے نزدیک اکثر و بیشتر شیعہ علماء کا اعتقاد یہ ہے کہ منع حدیث کا ایک سبب "مولا علی کے فضائل کی نشر و اشاعت" کو روکنا تھا[6] اس پر ان کی ایک دلیل "صحاح ستہ" کے مولفین میں سے ایک مولف امام نسائی کا ابن عباس سے یہ روایت نقل کرنا ہے کہ:

انھوں (خلفاء) نے علی سے بغض و کینہ رکھنے کی وجہ سے سنت رسول کو ترک کیا ہے۔[7]

---

[1] اضواء علی الصحیحین، ص ۲۶۳۔

[2] . جلالی، سید محمد رضا، تدوین السنۃ الشریفہ، قم: دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۴۱۳ھ ق، ص ۲۹۰۔

[3] . جرجانی ابن عدی، ابو احمد عبد اللہ، الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۹ھ ق، ج ۳، ص ۲۰۸۔

[4] تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۲۹۴۔

[5] . اضواء، ص ۵۳۔

[6] . شہرستانی، سید علی، منع تدوین الحدیث، بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۱۸ھ ق، ص ۵۷۔

[7] . نسائی، احمد ابن علی، سنن نسائی، تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ، حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۰۶ھ ق، ج ۵، ص ۲۵۳۔

لطف کی بات تو یہ ہے سنت و حدیث نبوی کو ترک کرنے والے، اس کے نقل، بیان، تحریر اور تدوین پر شدید پابندی لگانے والے اور اس کے ذخیرہ کو نذر آتش کرنے والے ہی آج اہل سنت کے ہیرو اور ان کے سربراہ کہے جاتے ہیں: "ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے"۔

خیر استاد محمد رضا حکیمی نے نشر و تدوین حدیث پر پابندی کی اصلی وجہ قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ: بعض صحابہ، حدیث کی تحریر و تدوین سے منع کرتے تھے، ان کا یہ کام در حقیقت، سیاسی وجہ رکھتا تھا، چونکہ اگر احادیث نبوی کی جمع و تدوین ہو جاتی، تو بلا تاخیر ان کی طرف رجوع کیا جاتا اور اسلامی سماج میں ان کی قرائت اور تدریس و تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور یہ چیز اسلامی امت کے لئے اسلام کے سیاسی نظام و فلسفہ سے آشنا ہونے کا سبب بنتی اور یہ آگاہی و آشنائی (سقیفائی) خلافت کے سسٹم کے بر خلاف ہوتی، سب جانتے ہیں کہ اسلامی فرقوں کی روایات فضائل علی سے پر اور اسلامی فلسفہ حکومت و خلافت پر مشتمل ہیں اور بیشتر روایتوں میں چونکہ خلافت و رہبری کے حقدار ہونے میں تمام افراد امت پر مولا علی کی فوقیت و بالادستی کے معیارات بیان ہوئے ہیں، اس لئے یہ روایتیں سبب بنتیں کہ دینی و شرعی خلافت و حکومت کے معیارات سامنے آئیں اور لوگوں کے کان اور آنکھیں کھلیں اور غلط سلسلہ خلافت و حکومت کے لئے اس بیداری و آگاہی سے بڑی اور خطرناک مشکل کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔[1]

سچ اور حق یہی ہے کہ سرکار ولایت مولا علی علیہ الصلوۃ والسلام سے شدید عداوت و دشمنی، اپنی ناجائز حکومت و خلافت کی حفاظت، اپنے حق میں جعلی روایتوں کے اہتمام اور نص کے مقابلہ میں شخصی و خود پسندانہ اجتہاد کرنے کی خاطر خلفائے جور نے مختلف بہانوں سے تقریباً ۱۰۰ سال تک احادیث نبوی کی تدوین و تحریر پر ہی نہیں بلکہ ان کے نقل و بیان پر بھی اتنی شدید پابندی لگائے رکھی کہ کوئی صحابی اگر کوئی حقیقی حدیث رسول بیان کر دیتا تھا، تو اسے کبھی قید اور کبھی باقاعدہ زدوکوب کیا جاتا تھا، جس کے فقط دو نمونے یہاں ذکر کئے جا رہے ہیں:

الف: سعید ابن ابراہیم اپنے باپ سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: عمر بن خطاب نے ابن مسعود، ابو درداء اور ابوذر سے کہا: آخر پیغمبر سے حدیث کیوں نقل کی جاتی ہے؟ سعید کہتا ہے کہ میرا گمان ہے کہ پھر ان کو عمر نے مدینہ میں اپنے مرتے دم تک حبس اور قید میں رکھا۔[2]

ب: ذاذان کہتا ہے کہ: عمر، مسجد سے باہر آئے اور انھوں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں، پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابی ابن کعب ہیں، جو مسجد میں لوگوں کے لئے احادیث نقل کر رہے ہیں!! یہ سن کر عمر نے تازیانہ ابی ابن کعب

---

[1]. حکیمی، محمد رضا، دانش مسلمین، تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۵۷ھ ش، ص ۲۶۔

[2]۔ نیشاپوری، حاکم، المستدرک علی الصحیحین، بیروت: دار صادر، بی تا، ج ۱، ص ۱۱۵۔

کے سر پر مارا!! تو ابی نے کہا: اے امیر المومنین یہ کیا کر رہے ہیں؟ عمر نے کہا: میں نے عمداً ایسا کیا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ تیرا یہ کام تجھے دیوانہ اور ان لوگوں کو ذلیل و خوار کر دے گا۔[1]

**ایک اہم سوال:**

جب تقریباً ۱۰۰ سال تک احادیث نبوی کے بیان اور ان کی تحریر و تدوین پر اس قدر پابندی اور سختی تھی تو پھر حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوۃ والسلام کیسے سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث ناب کے احیاء و انتشار میں کامیاب ہوئے؟

**جواب:**

حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوۃ والسلام کے دور امامت کا ایک حصہ اموی خلیفہ عمر ابن عبد العزیز سے متصل و مصادف تھا اور اس نے اپنے دور میں منع حدیث کا ظالمانہ قانون لغو و باطل کر دیا تھا، نیز ایک قاصد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا تا کہ حضرت اس کے پاس تشریف لائیں، جب فرزند رسول اس کے پاس آئے تو ایک گھنٹے تک اس نے امام سے مشورہ کیا اور جب آپ رخصت ہونے لگے تو آپ سے موعظہ و نصیحت کا تقاضا کیا، پس آپ نے اس سے فرمایا: میں تمھیں تقویٰ الٰہی کے ساتھ یہ تاکید کرتا ہوں کہ بڑوں کو اپنے باپ، بچوں کو اپنے بیٹے اور ہم عمروں کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھو! یہ سن کر عمر ابن عبد العزیز نے کہا: خداوند عالم آپ پر رحمت فرمائے، آپ نے جس میں ہماری خیر و سعادت ہے وہ سب کچھ بیان کر دیا ہے، بشرطیکہ ہم اس پر عمل کریں اور اللہ اس سلسلہ میں ہماری مدد فرمائے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام واپس اپنے گھر پلٹ آئے، لیکن کچھ مدت بعد عمر ابن عبد العزیز نے پھر یہ تقاضا کیا کہ میں آپ کے دیدار کو آنا چاہتا ہوں! آپ نے فرمایا: تم زحمت نہ کرو، میں آجاتا ہوں، اس نے منع کیا اور قسم کھا کر کہا کہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا، پس جب وہ امام کی خدمت میں پہنچا تو اتنا نزدیک ہوا کہ آپ سے گلے مل کر رونے لگا اور جب رخصت ہوا تو امام کی تمام فرمائشوں کو پورا کرنے کا عہد کر چکا تھا، پھر اس کے بعد کبھی دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔[2]

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز کو حضرت امام باقر علیہ السلام سے خاص محبت و انسیت تھی اور اس کی نگاہ میں امام کا بڑا احترام تھا۔

پس فرزند رسول امام باقر علیہ السلام نے نقل و بیان حدیث کے عام حکومتی قانون اور عمر ابن عبد العزیز کی نگاہ میں اپنے خاص انس و احترام سے پورا استفادہ کیا اور اپنے شب و روز سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث ناب کے انتشار و احیاء کے لئے وقف فرما

---

[1] ۔ ابن مشبہ، تاریخ المدینۃ المنورہ، بیروت: دار الفکر، بی تا، ج ۲، ص ۶۹۱۔

[2] ۔ مجلسی، محمد باقر، زندگانی امام سجاد و امام باقر علیہما السلام، ترجمہ: خسری، موسیٰ، تہران: نشر اسلامیہ، چ ۲، بی تا، ص ۱۷۴۔

دیئے اور آخری عمر تک آپ نے اپنا یہ مشن پورے انہماک کے ساتھ جاری و ساری رکھا،اگرچہ عمرابن عبد العزیز کے بعد میں آنے والے آپ کے ہم عصر اموی خلفاء اس کی طرح نرم خو نہیں تھے بلکہ نہایت ظالم و جابر اور فاسق و فاجر تھے، لیکن وہ چونکہ اپنی حکومتوں کے خلاف بہت سی سورشوں سے روبرو تھے اور اس کی بقا کی تگ و دو میں مشغول تھے،اس لئے امام علیہ السلام کی نہضت و تحریک میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

### احیاو تحفظ حدیث کے سلسلہ میں امام باقر علیہ السلام کا اہم کارنامہ:

اس میں شک نہیں ہے کہ حجت و ولی خداوند سبحان، فرزند رسول حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوۃ والسلام نے طرح طرح کے شدید مصائب و مشکلات کے باوجود عمرابن عبد العزیز کی نقل و تدوین حدیث سے متعلق فراہم کردہ سنہری فرصت سے بہترین استفادہ کرتے ہوئے سرکار سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث ناب کا شب و روز احیاء اور انتشار فرمایا اور فقط یہی نہیں بلکہ اس کے تحفظ و دوام کو یقینی بنانے کے لئے بہت سے عظیم کارنامے بھی انجام دیئے جن میں سے ایک اہم کارنامہ نہایت معتبر، موثق اور جلیل القدر محدثین کی تربیت ہے۔

### امام باقر علیہ السلام اور جلیل القدر روات و محدثین کی تربیت:

حضرت امام باقر علیہ السلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے ایک ایسی وسیع و عظیم علمی و اسلامی تحریک و نہضت کا آغاز فرمایا کہ جس سے بلاوقفہ شب و روز اصیل الہی و دینی عقائد و حقائق ، حقیقی اسلامی معارف و تعلیمات اور واقعی نبوی احادیث و روایات کی تبلیغ و ترویج اور نشر و اشاعت ہوتی رہی اور آپ نے اس تحریک و نہضت کو استقلال و دوام عطا کرنے کے لئے نہایت لائق و باہوش اور امین و بصیر شاگردوں اور محدثوں کی تربیت فرمائی، جن میں سے بعنوان نمونہ آپ کے تربیت کردہ چند اہم محدث شاگردوں کا ذکر یہاں کیاجارہاہے:

### ا۔ جابر ابن یزید جعفی:

یہ حضرت امام باقر علیہ السلام کے خاص شاگرد، صحابی، ثقہ راوی اور عظیم محدث تھے،یہ خود کہتے ہیں کہ: امام باقر علیہ السلام نے مجھے ایسی ۷۰ ہزار احادیث تعلیم کی ہیں ،کہ جنھیں آپ نے کسی اور سے بیان نہیں فرمایا ہے۔[1]

ان کے بارے میں حضرت اامام صادق علیہ السلام کا یہ باعظمت فرمان ہے کہ:

جابر کی ہمارے نزدیک وہی منزلت ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سلمان کی تھی[2]

---

[1] ۔ امین، سید محسن، اعیان الشیعہ، بیروت: دارالتعارف للمطبوعات، ۱۴۰۶ھ ق، ص ۶۵۱۔

[2] ۔ طوسی، محمد ابن حسن، الفہرست، قم: چاپ جواد قیومی اصفہانی، ۱۴۱۷ھ ق، ج۱، ص ۲۹۹۔

**۲۔ زرارہ ابن اعین:**

زرارہ فقہ اور حدیث کے علمائے اعاظم میں سے تھے اور ان کا شمار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے حواریوں میں ہوتا تھا، یہ ان چار افراد میں سے تھے جنھیں حلال و حرام الہی کے نجباء و امناء، زمین کے اوتاد، دین کے اعلام، سابقین، مقربین اور قسط و عدالت کے قائمین میں شمار کیا گیا ہے [1] حضرت امام باقر علیہ السلام نے ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے: "**لولا زرارہ لظننت ان احادیث ابی ستذھب**"[2] میرا گمان یہ ہے کہ اگر زرارہ نہ ہوتے تو میرے بابا کی حدیثیں ضائع ہو جاتیں۔

قابل ذکر ہے کہ شیعوں کی کتب اربعہ (**الکافی، التھذیب، الاستبصار اور من لایحضرہ الفقیہ**) میں زرارہ سے ایسی ۲۰۰ا روایات و احادیث پائی جاتی ہیں جو انھوں نے بلاواسطہ ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل کی ہیں [3]

**۳۔ محمد ابن مسلم:**

محمد ابن مسلم کوفی تھے لیکن کسب علم و دانش اور تحصیل حدیث کی خاطر حضرت امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں ۴ سال تک مدینہ منورہ میں رہ چکے تھے [4]

ایک روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام نے انھیں احکام دین میں حضرت امام باقر علیہ السلام کا امین، دین الہی کا محافظ اور مکتب تشیع کو زندہ رکھنے والا قرار دیا ہے۔ [5]

حضرت امام صادق علیہ السلام کی بارگاہ تک جو لوگ کسی مجبوری کی بنا پر نہیں پہنچ سکتے تھے، انھیں فرزند رسول، محمد ابن مسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے[6] اور ان کے علمی اعزاز میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: "**ما کان احد من الشیعة افقه من محمد ابن مسلم**"[7] شیعوں میں کوئی بھی محمد ابن مسلم سے بڑا فقیہ نہیں ہے۔

محمد ابن مسلم نے براہ راست حضرات امام باقر و صادق علیہما السلام سے روایت کی ہے اور ۳۰۰۰۰ ہزار حدیثیں حضرت امام باقر علیہ السلام اور ۱۶۰۰۰ ہزار حدیثیں حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کی ہیں۔ [8]

---

[1] ۔ شیخ مفید، محمد ابن نعمان، الاختصاص، قم: موسسة النشر الاسلامی لتابعة لجامعة المدرسین، بی تا، ص ۶۶۔

[2] ۔ شیخ طوسی، محمد ابن حسن، اختیار معرفة الرجال، قم: موسسة النشر الاسلامی، ۱۴۰۹ھ ق، ج۱، ص ۱۳۳۔

[3] ۔ بیدہندی، ناصر، اصحاب اجماع، فصل نامہ علوم حدیث، شمارہ ۹، قم: دانشگاہ علوم قرآن و حدیث، بی تا۔

[4] ۔ الاختصاص، ص ۲۰۳۔

[5] ۔ خوئی، ابو القاسم، معجم رجال الحدیث، بیروت: دار الزہرا، ۱۴۰۹ھ ق، ج۱۷، ص ۲۵۴۔

[6] ۔ اختیار معرفة الرجال، ج۱، ص ۳۸۳۔

[7] ۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت: موسسة الوفاء، ۱۴۰۳ھ ق، ج ۴۷، ص ۳۹۴۔

[8] اختیار معرفة الرجال، ج۱، ص ۳۸۶۔

محمد نے "الاربعمائۃ مسئلہ فی ابواب الحلال والحرام" کے عنوان سے ایک کتاب بھی تالیف کی ہے کہ جس میں ۱۴۰۰ احکام شرعی کی تحقیق و بررسی کا کام انجام دیا ہے۔[1]

۴۔ ابان ابن تغلب:

ابان ابن تغلب ابن رباح بکری شیعہ امامیہ کے نامور محدث تھے، انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ کوفہ میں گزارا ہے۔
علامہ نجاشی نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ فرزند رسول نے ابان کو یہ حکم دیا تھا کہ: تم مسجد مدینہ میں بیٹھو اور دینی مسائل کے سلسلہ میں لوگوں کو فتویٰ دو، میں دوست رکھتا ہوں کہ تمھارے جیسے افراد میرے شیعوں میں دکھائی دیں۔[2]
علماو محققین کے بقول ابان قرآن، حدیث، فقہ، ادبیات، لغت اور نحو میں معروف اور صاحب نظر تھے۔[3]

۵۔ حمران ابن اعین:

یہ مشہور محدث زرارہ ابن اعین کے بڑے بھائی تھے اور خود بھی معروف امامی محدث تھے، وہ حدیث کے علاوہ قرائت، نحو، لغت، فقہ اور کلام میں بھی مہارت رکھتے تھے[4] مشہور ہے کہ قرائے سبعہ کے ایک رکن حمزہ ابن حبیب نے علم قرائت حمران سے سیکھا تھا۔[5]

۶۔ برید ابن معاویہ عجلی:

برید حضرت امام باقر و امام صادق علیہما السلام کے خاص اصحاب میں سے تھے، انھوں نے حضرات صادقین علیہما السلام سے بلاواسطہ بھی روایت کی ہے اور محمد ابن مسلم کے باواسطہ بھی روایت کی ہے، بہت سے محدثین نے برید سے بھی روایتیں نقل کی ہیں اور شیعہ روائی کتابوں میں ان کی ۲۰۶ روایات ثبت و ضبط ہیں۔[6]

۷۔ سدیر صیرفی:

سدیر ابن حکیم ابن صہیب صیرفی امامین باقرین علیہما السلام کے راویوں میں سے تھے سدیر کے باپ حکیم اور ان کے دو بیٹے حنان و خالد بھی ائمہ کے شیعوں اور صحابیوں میں سے تھے۔

---

[1] ۔ نجاشی، احمد ابن علی، رجال النجاشی، قم: موسسۃ نشر اسلامی، ۱۴۲۴ھ ق، ص ۳۲۴۔

[2] ۔ حوالہ سابق، ۱۳۶۵ھ ش، ص ۱۰۔

[3] ۔ حوالہ سابق، ص ۱۱۔

[4] ۔ ابن ندیم، الفہرست، تہران: محمد رضا تجدد، ۱۳۵۰ھ ش، ص ۲۷۶۔

[5] ۔ بخاری، محمد ابن اسماعیل، بیروت: کتاب التاریخ الکبیر، ۱۴۰۷ھ ق، ج ۳، جزء ۲، قسم ۱، ص ۸۰۔

[6] ۔ معجم رجال الحدیث، ج ۳، ص ۲۹۰۔

تنقیح المقال میں علامہ مامقانی کی نقل کردہ ایک روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ سدیر کے باپ، داد اور چچا سب اہل بیت کے خواص اور شیعوں میں سے تھے۔[1]

رہی سدیر کے ثقہ ہونے کی بات، تو متقدم و متاخر رجالی منابع میں علمائے رجال نے ان کے ثقہ ہونے کی گواہی دی ہے۔

علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں حضرت امام صادق علیہ السلام کے سدیر کے زندانی ہونے سے متعلق گریہ اور ان کی رہائی کے لئے دعا کو ان کے بلند مرتبہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے[2] اور آیت اللہ خوئی نے معجم رجال الحدیث میں کہا ہے کہ: علی ابن ابراہیم قمی کی تفسیر اور ابن قولویہ کی کتاب کامل الزیارات کے اسناد میں پائے جانے والے تمام راوی ثقہ شمار ہوتے ہیں[3] اور بلاشبہ سدیر ان راویوں میں شامل ہیں۔[4]

نتیجہ:

بعنوان نتیجہ بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث نبوی کی تبیین، تحریر اور تدوین پر تقریباً ۱۰۰سال کی طویل مدت تک سخت پابندی کے بعد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس طرح سرکار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث ناب کا احیاو انتشار فرمایا ہے کہ جس کی برکت سے اس وقت سے لے کر آج تک عالم اسلام فیضیاب ہو رہا ہے اور اسی کی وجہ سے خصوصاً امامیہ فقہی مکتب نہایت غنی اور پربار نظر آتا ہے۔

## مدح امام باقر علیہ السلام

علامہ ذیشان حیدر جوادی

باقرؑ کے اس شرف پہ زمانہ نثار ہے — یہ عظمتِ حسینؑ کا اک حصہ دار ہے

مالک نے اس کو نام پیمبر عطا کیا — یہ مصطفیٰ کے نام کا بھی ورثہ دار ہے

قبل از وجود جس کو پیمبر کریں سلام — بیشک وہ دین حق کا کوئی ذمہ دار ہے

شبر کا یہ نواسہ ہے پوتا حسینؑ کا — تنہا یہ دو گھرانوں کا آئینہ دار ہے

باقرؑ کے دم سے زندہ ہیں اسرار کربلا — یہ کربلا کا سب سے بڑا راز دار ہے

[1] مامقانی، عبد اللہ، تنقیح المقال، قم: موسسۃ اہل البیت لاحیاء التراث، بی تا، ج۳۰، ص ۱۶۴۔

[2] ۔حلی، علامہ حسن ابن یوسف، الخلاصہ، قم: انتشارات شریف رضی، ۱۴۰۲ھ ق، ص ۸۵۔

[3] ۔ معجم رجال الحدیث، ج۱، ص ۴۹، ۵۰۔

[4] ۔ابن قولویہ، جعفر ابن محمد، کامل الزیارات، نجف اشرف: بی نا، ۱۳۵۶ ھ ش، ص ۷۸۔

# امیر المومنین علیہ السلام اور انسانی حقوق

سید علی ہاشم عابدی

ذات واجب فقط پروردگار ہے اس کے علاوہ سب ممکن الوجود ہیں، اللہ خالق ہے کائنات کے ذرے ذرے کو اسی نے خلق کیا ہے، اس کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔ اللہ نے اپنی مخلوقات میں انسان کو اشرف مخلوق قرار دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالی نے انسانی خلقت کے سلسلہ میں فرمایا:

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "[1] (ہم نے انسان کو بہترین ساخت و انداز کے ساتھ پیدا کیا)

"فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ "[2] (پس بڑا بابرکت ہے وہ اللہ جو بہترین خالق ہے۔)

اسی طرح انسانی عظمت و فضیلت کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا "[3] بے شک ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت و بزرگی دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا (سواریاں دیں) پاک و پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور انہیں اپنی مخلوقات پر (جو بہت ہیں) فضیلت دی۔

"أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" (جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ نے سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے[4]۔)

مذکورہ آیات سے انسان کی عظمت و فضیلت اور اہمیت واضح اور روشن ہے کہ اللہ نے اس کو بہترین ساخت میں پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔

لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ نے جس قدر عظمت و فضیلت انسان کو عطا کی ہے اس انسانی اقدار و فضیلت کو کچلنے والا ماضی سے آج تک کوئی اور نہیں بلکہ انسان ہی رہا ہے لہذا اس سلسلے میں مختلف ممالک میں انسانی حقوق کی پاسداری کے نعرے لگائے گئے، لیکن افسوس کہ ایک جانب اقدار انسانی کی پاسبانی کے نعرے لگ رہے ہیں تو دوسری جانب انسانیت تڑپتی ہوئی نظر آرہی ہے اور جن لوگوں نے انسانی حقوق کے نعرے لگائے ان کے نزدیک انسان سے مراد صرف ان کی ذات رہی یا ان کا خاندان رہا یا ان کا قبیلہ رہا اور بہت وسعت نظر آئی تو انہوں نے اپنے ملک کو سمجھا بلکہ ملک میں بھی انہوں نے صرف اپنی

---

[1] ۔ سورہ تین، آیت ۴

[2] سورہ مومنون، آیت ۱۴

[3] سورہ اسراء، آیت ۷۰

[4] سورہ لقمان، آیت ۲۰

ذات اور برادری کو ہی انسان سمجھا اور صرف ان کے حقوق کی بات کی، باقی اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو کچلنے میں کبھی کوئی تکلف نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا اور آج تک دیکھنے میں آرہا ہے کہ ایک جانب جو نام نہاد انسانی حقوق کی پاسبانی کا بھوپو بنے ہوئے ہیں خود انہی کے ذریعہ یا ان کے زیر اثر لوگوں کے ذریعہ یا ان کے چاہنے والوں کے ذریعہ انسانیت کچلی جارہی ہے، بے گناہ قتل کئے جا رہے ہیں لوگ بھوکوں مر رہے ہیں، بچے یتیم ہو رہے ہیں، خواتین بیوہ ہو رہی ہیں بلکہ ننھے ننھے معصوم بچے بھوک و پیاس یا جان لیوا حملوں سے اپنی جانیں گنواں رہیں ہیں لیکن اس کے باوجود دوسری جانب انسانی حقوق کا نعرہ لگانے والے سکوت میں ہی اپنی مصلحت سمجھ رہے ہیں۔

یہ حقیقت پھر واضح اور روشن ہو جائے کہ نہ صرف عام انسان تاریخ میں کچلے گئے، دبائے گئے قتل ہوئے، ان کے خونوں سے ہولیاں کھیلی گئیں، ان کو بھوکا اور پیاسا رکھا گیا بلکہ جن لوگوں نے تڑپتی انسانیت، دنیا کے مظلوموں اور کمزوروں کے حق میں آواز اٹھائی ان کو بھی بے دردی سے شہید کیا گیا۔ اور اس اقدار انسانی کے محافظ شہیدوں کے سردار امیر المومنین امام علی علیہ السلام ہیں۔

کیونکہ دنیا کے بادشاہوں کو ان کے ظلم کے سبب بے دخل کیا جاتا ہے، قتل کیا جاتا ہے لیکن کائنات کے تنہا حاکم امیر المومنین امام علی علیہ السلام ہیں کہ جن کو ان کی کثرت عدالت کے سبب محراب عبادت میں شہید کر دیا گیا۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے اپنی تقریبا پانچ سالہ حکومت میں عدالت کی وہ مثال قائم کی کہ لوگوں کو دور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آگیا کہ دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادلانہ نظام حکومت کے بعد نام نہاد اسلامی مملکت میں انسانی حقوق عرب و عجم، انصار و مہاجر، خاندان و قبیلہ کے تعصب میں کچلے جا رہے تھے، انسانی اقدار بھی پامال ہو رہے تھے۔ لیکن جب ۲۵ برس بعد نام نہاد اسلامی حاکم کے ظلم و ستم سے عاجز آکر آخر ایک مرتبہ پھر مسلمان بیت وحی پہ حاضر ہوا اور مطالبہ کیا کہ ہاتھ بڑھائیں ہم آپ کی بیعت کریں گے، دنیا کو پست و ذلیل اور بکری کی چھینک سے زیادہ حقیر سمجھنے والی ذات امیر المومنین علیہ السلام نے انکار کیا لیکن جب ادھر سے اصرار بڑھا تو آپ نے قرآن و سنت کی شرط کے ساتھ بیعت قبول فرمائی۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے اپنی تقریبا پانچ سالہ حکومت میں لوگوں کے عام حقوق پر خاص توجہ فرمائی۔ آپ کی جانب سے ایک الٰہی رہبر اور رہنما کے عنوان سے اٹھائے گئے قانونی مسائل کی مختلف جہتوں میں درستگی کو قانونی اور سیاسی تحقیق میں ایک منفرد وسیلہ اور اسلام میں انسانی حقوق کی ترقی کے لئے ایک قابل اعتماد معیار سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے انسان کے مادی اور معنوی جہتوں کے مطابق مختلف سیاسی، سماجی، ثقافتی اور اقتصادی میدانوں میں حقوق بیان کئے ہیں۔

زیر نظر تحریر میں ہم پانچ جہتوں سے توجہ کریں گے۔ مساوات، آزادی، امنیت، تعلیم و تربیت اور سماجی تحفظ کا حق

۱. مساوات

یہ حق اس جہت سے ثابت ہے کیونکہ تمام انسانوں میں تخلیق کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے۔ "اِمّا اخٌ لك فی الدّین او نظیرٌ لك فی الخَلق" سارے انسان اللہ کے بندے ہیں۔ "فانّما انا و انتم عبیدٌ مملو کون لربٍ لا ربَّ غیرہ"[1] تخلیق میں برابری کا تقاضہ ہے کہ تمام انسانوں میں مساوات قائم ہو۔ وراثت، نسل، زبان، رنگ، آب و ہوا، دولت اور جنس اس مساوات کو ضرر نہیں پہنچا سکتے، مساوات انسانوں کا مسلم حق ہے جو ان سے چھینا نہیں جاسکتا۔ انسانی مساوات کو مختلف شعبوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

**الف۔ حق میں برابری**

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے حلوان کے والی اسود بن قطبہ کو خط لکھا کہ اگر حاکم ہوا و ہوس کا اسیر ہو گا تو وہ عدالت سے رک جائے گا لھذا "فَلیکُن امرُ النّاسِ عندك فی الحقِّ سواء"[3] سب انسان حق میں برابر ہوں اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہے۔

دوسرے مقام پر آپ نے اپنے گورنروں سے خطاب فرمایا: "مجھ پر تمہارے حق کے سلسلے میں یہ حق ہے کہ ہم تم سب کو ایک نظر سے دیکھیں"[4]۔

جناب مالک اشترؓ سے فرمایا: کبھی کسی انسان کی شرافت و شخصیت اس بات کا سبب نہ بنے کہ اس کے چھوٹے کام کو بڑا سمجھو اور کسی کی گمنامی اس بات کا سبب نہ بنے کہ تم اس کے بڑے کام کو چھوٹا سمجھو۔"[5] مولا اس سے بھی واضح طور پر فرمایا: "و اَلزِمِ الحقّ مَن لَزِمَہ من القریب و البعید" سب کے ساتھ حق کو جاری کرو چاہے وہ تمہارا قریبی ہو یا تم سے دور ہو[6]۔

جب آپ کو پتہ چلا کہ سہل بن حنیف انصاری کے بعض ساتھی مدینہ میں حاکم شام سے ملحق ہو گئے ہیں تو ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا: وہ دنیا پرست ہیں، دنیا کو انہوں نے اپنا قبلہ بنایا اور اسی کی جانب چل پڑے ہیں انہوں نے عدالت کو نہیں پہچانا، جس کا انہوں نے اپنی آنکھوں اور کانوں سے احساس کیا ہے۔ انہوں نے جان لیا ہے کہ ہم حق میں مساوات کے قائل ہیں لہذا وہ ہم سے دور ہو گئے ہیں[7]۔

---

[1] نہج البلاغہ، خط ۵۳

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۶

[3] نہج البلاغہ، خط ۵۹

[4] نہج البلاغہ، خط ۵۰

[5] نہج البلاغہ، خط ۵۳

[6] نہج البلاغہ، خط ۵۳

[7] نہج البلاغہ، خط ۷۰

**ب۔ قانون میں مساوات**

قانون کے اجرا میں سب میں مساوات ہونا چاہیے اور حق کو جاری کرنا چاہیے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے طلحہ اور زبیر کے اعتراض پر فرمایا: "تم نے جو لوگوں کے سامنے کہا کہ ہم نے اپنے ذاتی نظریہ پر فیصلہ کیا ہے تو ہم نے اپنی ذاتی رائے پر فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہی ہم نے اپنی خواہشات پر عمل کیا ہے، ہم نے اور تم نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح حکم فرمایا تھا اور کیسے اسے اجرا کیا تھا[1]۔

تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں کتاب خدا اور سیرت رسول پر عمل کروں۔[2]

مذکورہ مطالب سے واضح ہوتا ہے کہ قانون کے اجراء میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے بلکہ قانون سب کے لئے برابر ہے، چاہے عرب ہو یا عجم، گورا ہو یا کالا، سماج کا بلند انسان ہو یا سماج میں معمولی حیثیت رکھتا ہو قانون سب کے لیے مساوی ہے۔

**ج۔ بیت المال میں مساوات۔**

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالی نے علماء سے عہد لیا ہے شکم سیر ظالموں اور بھوکے مظلوموں سے غافل نہ رہیں[3]۔

دوسرے مقام پر فرمایا: اللہ تعالی نے ثروت مندوں کے مال میں فقراء کی روزی کو واجب قرار دیا ہے، کوئی فقیر بھوکا نہیں رہا مگر یہ کہ مالدار نے اس کو حق سے روکا اور خداوند عالم ان سے اس سلسلہ میں باز پرس کرے گا۔"[4]

مذکورہ مطالب کی روشنی میں نہ تو علماء اس سلسلے میں بے توجہی کر سکتے ہیں اور نہ ہی ثروت مند طبقہ۔

د۔ لوگوں سے ملنے میں مساوات: عام طور پر سماج کا ثروت مند، قدرت مند، مشہور اور دیگر دنیوی امتیازات والے افراد کی رسائی ذمہ داران تک آسان ہوتی ہے بنسبت عام لوگوں کے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس جانب بھی اپنے گورنروں کو متوجہ فرمایا جیسے جناب محمد ابن ابی بکر سے فرمایا: "لوگوں سے تواضع اور نرمی سے پیش آؤ، ان سے کشادہ دلی سے ملاقات کرو، انہیں دیکھنے اور اشارہ کرنے میں بھی مساوات کا خیال رکھو تاکہ طاقتور تم سے ظلم کی لالچ نہ کرے اور کمزور عدالت کے سلسلے میں تم سے ناامید نہ ہو۔[5]

اسی طرح آپ نے اپنے دوسرے گورنر کو بھی اسی مضمون کا خط تحریر فرمایا[6]

کیا عدالت میں ایسی رعایت دنیا میں کہیں اور مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، سوائے امیر المومنین علیہ السلام کے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۵

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۸

[3] نہج البلاغہ، خطبہ ۳

[4] نہج البلاغہ، کلمات قصار ۳۲۹

[5] نہج البلاغہ، خط ۲۷

[6] نہج البلاغہ، خط ۴۶

**ہ۔ جنسیت میں مساوات :**

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے جہاں مردوں پر ظلم کو برداشت نہیں کیا وہیں اگر کسی خاتون پر ظلم ہوا تو اسے بھی برداشت نہیں فرمایا۔ اگر کافر ذمی خاتون پر ستم ہوا تو اس کی بھی آپ نے مذمت کی اسی طرح جب خوارج نے ایک مسلمان خاتون پر ظلم کیا تو آپ نے اس کی بھی مذمت کی۔ یہاں تک کہ اگر آپ کے کسی گورنر کے ظلم کی کسی مرد یا خاتون نے شکایت کی تو آپ نے جس طرح مرد کی شکایت پر حکم جاری کیا اسی طرح خاتون کی شکایت پر بھی حکم جاری کیا۔

قابل ذکر ہے کہ جب خلیفہ زادے نے ابو لولو کی بیٹی "لولو" کو قتل کر دیا تو آپ اس ظلم پر بھی بے چین ہوئے اور اس پر حد جاری کرنے کی بات کی لہذا جب آپ مسند خلافت پر جلوہ فگن ہوئے تو وہ آپ کی مملکت سے نکل کر شام فرار ہوگیا اور جنگ صفین میں آپ کے مقابلے میں آیا اور اسی میدان صفین میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

**۲۔ آزادی**

**الف۔ آزادی عقیدہ:**

امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت میں ہر انسان اپنے عقیدے کے سلسلے میں آزاد تھا، اسی طرح اپنے عقیدے کو بیان اور جستجو میں بھی آزاد تھا۔ آپ کی حکومت میں کسی پر کوئی اپنا عقیدہ نہیں تھوپ سکتا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے نہ کسی یہودی یا عیسائی کو زبردستی مسلمان بنایا، نہ کسی خارجی پر کوئی پابندی لگائی، حتی بیت المال سے کسی کے وظیفے کو بھی منقطع نہیں کیا۔ آپ کی حکومت میں نہ تو کوئی سیاسی قتل ہوا اور نہ ہی کوئی سیاسی جیل ہوئی۔

**ب۔ بیان و قلم کی آزادی**

امیر المومنین علیہ السلام نے ہر انسان کو آزاد سمجھا اور کسی کے بھی زبان و قلم پر پابندی نہیں لگائی۔ آپ نے جناب مالک اشترؒ کو نصیحت فرمائی: "جو لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنے عام جلسے میں ملنے کی اجازت دو اور ان سے حسن اخلاق کے ساتھ ملو اور اپنے مسلح محافظین کو وہاں حاضر ہونے کی اجازت نہ دو تا کہ لوگ بغیر کسی لکنت کے تم سے گفتگو کر سکیں[1]۔

اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام نے چاپلوسوں کی مذمت کی۔ اور اپنی ستائش اور چاپلوسی کرنے والوں سے دوری بنانے کی نصیحت فرمائی ہے۔

**ج۔ مخالف جماعت کو آزادی۔**

---

[1] نہج البلاغہ، خط ۵۳

امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں حکومت کے مخالف افراد کو بھی مکمل طور پر آزادی تھی اور آپ نے کبھی بھی کسی کی آزادی میں ذرہ برابر بھی دخالت نہیں فرمائی۔ جب تک کہ کسی دوسرے کا حق پامال نہیں ہوا، خوارج جب تک آپ کے خلاف بولتے رہے آپ خاموش رہے اور ان کے خلاف اسی وقت میدان جہاد میں اترے جب وہ خلق خدا پر ظلم کرنے لگے۔

### د۔ اجتماعات کی آزادی

امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں ہر جماعت کو اپنے اجتماع کرنے کا حق تھا آپ نے کسی کی بھی نماز جمعہ و جماعت اور دیگر اجتماعات کو نہیں روکا۔

## ۳۔ امنیت

امنیت بھی لوگوں کا ایک حق ہے کہ جس کے بغیر دیگر بہت سے حقوق پامال ہو جائیں گے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت میں ہر انسان کو ہر طرح کی امنیت حاصل تھی چاہے وہ اس کی جان اور شخصیت کے حوالہ سے ہو یا مالی اور اقتصادی لحاظ سے ہو، یا فیصلہ کرنے میں امنیت ہو وغیرہ۔

### الف۔ جان و شخصیت کی امنیت۔

امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت میں ہر انسان کی جان اور شخصیت محفوظ تھی۔ آپ نے فرمایا: "اللہ نے مسلمان کی حرمت کو تمام حرمتوں پر فضیلت عطا کی ہے، اخلاص اور توحید کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کو مضبوط کیا ہے، پس ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے امان میں ہو۔"[1]

اگرچہ امیر المومنین علیہ السلام کے اس قول میں صرف مسلمان کا تذکرہ ہے لیکن عملی حوالے سے غیر مسلم بھی آپ کی حکومت میں احساس امنیت محسوس کرتے تھے۔

### ب۔ مالی اور اقتصادی امنیت:

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے گورنروں کو خطوط میں صدقات اور مالیات کی وصولی میں صبر و تحمل اور نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا: "تم رعیت کے خزینہ دار، اُمت کے نمائندے اور اقتدار اعلیٰ کے بھیجے ہوئے ہو۔ کسی سے اس کی ضروریات کو قطع نہ کرو، اور اس کے مقصد میں روڑے نہ اٹکاؤ۔ اور لوگوں سے خراج وصول کرنے کیلئے ان کے جاڑے یا گرمی کے کپڑوں اور مویشیوں کو جن سے وہ کام لیتے ہوں اور ان کے غلاموں کو فروخت نہ کرو، اور کسی کو پیسہ کی خاطر کوڑے نہ لگاؤ، اور کسی مسلمان یا ذِمّی کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ مگر یہ کہ اس کے پاس گھوڑا یا ہتھیار ہو کہ جو اہل اسلام کے خلاف استعمال ہونے والا ہو۔ اس لئے کہ یہ ایسی

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۷

چیز ہے کہ کسی مسلمان کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس کو دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں رہنے دے کہ جو مسلمانوں پر غلبہ کا سبب بن جائے۔"[1]

زکوۃ جمع کرنے والوں سے فرمایا: جب کسی قبیلے کی طرف جانا تو لوگوں کے گھروں میں گھسنے کی بجائے پہلے ان کے کنوؤں پر جا کر اترنا، پھر سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف بڑھنا، یہاں تک کہ جب ان میں جا کر کھڑے ہو جاؤ تو ان پر سلام کرنا اور آداب و تسلیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ اس کے بعد ان سے کہنا کہ: اللہ کے بندو! مجھے اللہ کے ولی اور اس کے خلیفہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اگر تمہارے مال میں اللہ کا کوئی حق نکلتا ہے تو اسے وصول کروں، لہٰذا تمہارے مال میں اللہ کا کوئی واجب الاداء حق ہے کہ جسے اللہ کے ولی تک پہنچاؤ؟

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ: نہیں، تو پھر اس سے دہرا کر نہ پوچھنا۔ اور اگر کوئی ہاں کہنے والا ہاں کہے تو اسے ڈرائے دھمکائے یا اس پر سختی و تشدد کئے بغیر اس کے ساتھ ہو لینا اور جو سونا یا چاندی (درہم و دینار) وہ دے لے لینا۔"[2]

## ج۔ عدالت میں امنیت

ہر حکومت میں عدالت سماج کی امنیت اور عدالت کی ضمانت ہوتی ہے، خاص طور سے سماج کے کمزور طبقے کے لئے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب فیصلہ کرنے والا عادل ہو اور وہ خود حق کے سلسلہ میں ثابت قدم ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام نے جناب مالک اشترؓ کو لکھا: "لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کیلئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے نزدیک تمہاری رعایا میں سب سے بہتر ہو، جو واقعات کی پیچیدگیوں سے ضیق میں نہ پڑ جاتا ہو، اور نہ جھگڑنے والوں کے رویہ سے غصہ میں آتا ہو، نہ اپنے کسی غلط نقطۂ نظر پر اَڑ تا ہو، نہ حق کو پہچان کر اس کے اختیار کرنے میں طبیعت پر بار محسوس کرتا ہو، نہ اس کا نفس ذاتی طمع پر جھک پڑتا ہو اور نہ بغیر پوری طرح چھان بین کئے ہوئے سرسری طور پر کسی معاملہ کو سمجھ لینے پر اکتفا کرتا ہو، شک و شبہ کے موقع پر قدم روک لیتا ہو، اور دلیل و حجت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہو، فریقین کی بحثا بحثی سے اکتانہ جاتا ہو، معاملات کی تحقیق میں بڑے صبر و ضبط سے کام لیتا ہو، اور جب حقیقت آئینہ ہو جاتی ہو تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہو۔"[3]

مذکورہ مطالب سے واضح ہوتا ہے کہ جب فیصلہ کرنے والا تجربے کار اور عادل ہو گا تو سماج میں امنیت قائم ہو گی۔

## د۔ جاسوسی پر پابندی :

---

[1] نہج البلاغہ، خط ۵۱

[2] نہج البلاغہ، خط ۲۵

[3] نہج البلاغہ، خط ۵۳

اسی سماج میں امن و امان قائم ہوتا ہے جہاں پر لوگوں کے راز محفوظ ہوں اور جاسوسی کے ذریعہ ان کے راز ظاہر نہ کئے جاتے ہوں۔
امیر المومنین علیہ السلام نے جناب مالک اشترؓ سے فرمایا: "تمہاری رعایا میں تم سے سب سے زیادہ دور اور سب سے زیادہ تمہیں ناپسند وہ ہونا چاہیے جو لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ لگا رہتا ہو، کیونکہ لوگوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں، حاکم کیلئے انتہائی شایان یہ ہے کہ ان پر پردہ ڈالے۔ لہٰذا جو عیب تمہاری نظروں سے اوجھل ہوں، انہیں نہ اچھالنا، کیونکہ تمہارا کام انہی عیبوں کو مٹانا ہے کہ جو تمہارے اوپر ظاہر ہوں اور جو چھپے ڈھکے ہوں ان کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اس لئے جہاں تک بن پڑے عیبوں کو چھپاؤ، تاکہ اللہ بھی تمہارے ان عیوب کی پردہ پوشی کرے جنہیں تم رعیت سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔"[1]
دور حاضر میں ٹیلی فون، میسج اور دوسرے تمام آلات کے ذریعے جو جاسوسی کا سلسلہ جاری ہے وہ نہ صرف سماج بلکہ گھر بھی نا امنی کا شکار ہے۔ نتیجہ میں کوئی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔

## ۴. تعلیم و تربیت

مفت تعلیم دینا لوگوں کا حق ہے۔ حکومت علوی کا ایک افتخار یہ بھی ہے کہ ۱۴۰۰ سال پہلے امیر المومنین علیہ السلام نے لوگوں کی تعلیم پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا: "اے لوگو! ایک تو میرا تم پر حق ہے، اور ایک تمہارا مجھ پر حق ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی پیش نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں تاکہ تم جاہل نہ رہو اور اس طرح تمہیں تہذیب سکھاؤں۔"[2]

## ۵۔ اجتماعی امداد

جناب مالک اشترؓ کے نام خط میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ حکومت کی امدادی خدمات سے مستفید ہونے میں بچوں، بوڑھوں، ضرورت مندوں اور مجبوروں کو ترجیح دی جائے۔
امیر المومنین علیہ السلام نے جناب مالک اشترؓ کو لکھا: "پھر خصوصیت کے ساتھ اللہ کا خوف کرنا پسماندہ و افتادہ طبقہ کے بارے میں جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، وہ مسکینوں، محتاجوں، فقیروں اور معذوروں کا طبقہ ہے۔ ان میں سے کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کی صورت سوال ہوتی ہے۔ اللہ کی خاطر ان بے کسوں کے بارے میں اس کے اس حق کی حفاظت کرنا جس کا اس نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے۔ ان کیلئے ایک حصہ بیت المال سے معین کر دینا اور ایک حصہ ہر شہر کے اس غلہ میں سے دینا جو اسلامی غنیمت کی زمینوں سے حاصل ہوا ہو، کیوں کہ اس میں دور والوں کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا ہے۔ اور تم ان سب کے حقوق کی نگہداشت کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۔"[3]

---

[1] نہج البلاغہ، خط ۵۳
[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۳۴
[3] نہج البلاغہ، خط ۵۳

# حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں سیاست کے اصول

ڈاکٹر شیخ تنویر ذکیہ

سیاست، مفہوم و معنی کے اعتبار سے ایک بہت ہی وسیع موضوع ہے۔ ہر کوئی اپنے نقطہ نظر سے اس کی تعریف کرتا ہے سیاست کے لغوی معنی؛ حکومت چلانا اور لوگوں کی امر و نہی کے ذریعے اصلاح کرنا ہے۔ اصطلاح میں؛ فن حکومت اور لوگوں کو اصلاح سے قریب اور فساد سے دور رکھنے کو سیاست کہتے ہیں قرآن کریم میں لفظ سیاست تو نہیں آیا البتہ ایسی بہت سی آیتیں موجود ہیں جو سیاست کے مفہوم کو واضح کرتی ہیں بلکہ قرآن کا بیشتر حصہ سیاست پر مشتمل ہے مثلاً عدل و انصاف، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مظلوموں سے اظہار ہمدردی اور حمایت ظالم اور ظلم سے نفرت اور اس کے علاوہ انبیاء اور اولیاء کرام کا انداز سیاست بھی قرآن میں بیان کیا گیا ہے؛ مثلاً قرآن کی یہ آیت: وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا، قالوا انی یکون لہ الملك علینا[1]

ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لیے طاوت کو حاکم مقرر کیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح حکومت کریں گے ان کے پاس تو مال کی فراوانی نہیں ہے ان سے زیادہ تو ہم ہی حقدار حکومت ہیں، نبی نے جواب دیا کہ انہیں اللہ نے تمہارے لیے منتخب کیا ہے"۔

سیاست سے متعلق یہ ایک چھوٹا سا نمونہ قرآن سے جو کہ حکومت کے بارے میں اور سیاست کے بارے میں موجود ہے اب اگر ہم سیاست کے لفظ کو ائمہ اطہار کی نظر سے دیکھیں تو ہر امام سیاست دان بلکہ "سیاست مدار" نظر آتا ہے اور ان کی زندگیوں میں رونما ہونے والے سیاسی واقعات سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے اقوال زرین میں سیاست کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں

سیاستہ العدل ثلاث لین فی حزم و استقصاء فی عدل و افضال فی قصد[2]

عادلانہ سیاست تین چیزوں میں ہے۔ اپنے کاموں میں میانہ روی اختیار کرنا۔ عدالت کے اجرا میں تحقیق کرنا۔ مدد کے وقت میانہ روی اختیار کرنا۔

سیاست کے موضوع پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد اگر ہم حضرت علی علیہ السلام کی سیاست اور ان سے جڑے پہلو پر مختصراً نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرم نے حضرت علی کے بارے میں فرمایا:

---

[1] سورہ بقرہ ایت ۲۴۷

[2] غرر الحکم، ج ا، ص ۴۳۴

**هذا اخی وصی و خلیفتی فیکم** ''یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم لوگوں میں میرا جانشین ہے''

نیز حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر (**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**) فرما کر نیابت و جانشینی کا اعلان کر دیا۔ جس کے بعد کسی جدید انتخاب کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ کوئی مسئلہ درپیش تھا مگر کچھ اقتدار پرست افراد نے ان واضح ارشادات کو اس طرح نظر انداز کیا کہ گویا ان کے کان کبھی ان سے آشنا ہی نہ تھے اور انتخاب کو اتنی اہمیت دی کہ رسول کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور جمہوریت کے نام پر حضرت ابو بکر کو خلیفہ منتخب کر لیا اور علی نے وحدت اسلامی کو برقرار رکھنے کے لیے سکوت اور خاموشی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ شوریٰ میں جو کچھ ہوا اس سے کوئی بے خبر نہیں اور اس پر مزید تفصیل درکار نہیں۔ عثمان کے دور خلافت میں زیادتیوں کے حد سے بڑھ جانے کے بعد لوگ عثمان کے خلاف ہو گئے۔ بقول علامہ مودودی ''خلافت ملوکیت میں بدل گئی'' اور عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ قبائل اوس اور خزرج کے لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے طلحہ زبیر نے اصرار کیا ہے کہ ہم آپ کو ہی سب سے زیادہ خلافت کے لیے شائستہ اور لائق سمجھتے ہیں اسلام میں سب سے بہترین سابقہ آپ کا ہے یہاں تک کہ اس طریقے سے لوگ مولا علیؑ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوگ اس طرح میرے گھر کو گھیرے ہوئے تھے کہ حسن و حسین علیہما السلام سہمے ہوئے تھے اور میرے کرتے کے دونوں گوشوں کو اس طریقے سے پکڑے ہوئے تھے کہ میرا دامن پارہ پارہ ہو گیا اور جب میں نے حکومت کو تھام لیا تو کچھ لوگوں نے عہد و پیمان کو توڑ دیا آج بھی خطبہ شقشقیہ حضرت علیؑ کے اظہار درد کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ۲۵ سال امت کی بے رخی کی وجہ سے خون جگر پینے کے بعد ۲۵ ذی الحجہ کے دن علی کے دست مبارک پر بیعت ہوئی ۲۶ ذی الحجہ کو پہلی تقریر میں چند باتوں کا اعلان فرمایا۔

۱۔ میں نے مجبوراً تمہاری حکومت کو قبول کیا ہے۔

۲- جس طریقے سے رات میں ہر گھر میں اندھیرا ہوتا ہے ویسے فتنے تمہاری طرف رخ کیے ہوئے ہیں.

۳۔ جس طرح میں رسول کے زمانے میں عمل کرتا تھا وہی کروں گا (کیونکہ) میں وہی علی ہوں جو رسول کے دور میں تھا صحابہ رسول یہ نہ سمجھیں کہ ان کو مزید رعایت دی جائے گی اور ان کو زیادہ وظیفہ ملے گا، بلکہ (حکومت علیؑ میں) ہر کوئی مساوی ہے. (یہی مسئلہ مساوات آپ کی حکومت کے لئے درد سر بن گیا) کیونکہ امت یہ فراموش کر گئی کہ یہ علیؑ وہی علیؑ ہیں جس کے لیے رسول اللہ نے فرمایا تھا علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حضرت علیؑ نے ہمیشہ تقویٰ کتاب اللہ اور رسول اللہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی حکومت کو قائم رکھا اس کی عمدہ مثال یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو ۳۸ ہجری میں مصر کا والی مقرر کیا تب حضرت علیؑ نے یہ عہد نامہ ان کے لیے قلم بند فرمایا اس ضمن میں یہ ایک طویل عہد نامہ سب سے زیادہ محاسن پر

مشتمل ہے یہ عہد نامہ انسانی سیاسی اقتصادی اور اجتماعی معاملات کے حل پر مشتمل ایک کامل اور کارآمد دستور ہے جس میں سے کچھ اصولوں کو ہم بیان کریں گے در حقیقت وہی آپ کے اصول سیاست ہونگے:۔

۱۔ خوف خدا

حضرت علی نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ اللہ کا خوف کریں، اللہ کی اطاعت کو مقدم سمجھیں اور جن فرائض و سنن کا اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے ان کا اتباع کریں حقوق اللہ اور حقوق الناس کے متعلق بھی انصاف کرنا ہے۔

۲۔ رعایا کے متعلق

رعایہ میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوقِ خدا رعایہ کے لیے اپنے دل میں رحم و رافت اور محبت کو جگہ دو، تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتاوا اور سزا دینے پر اترانا نہیں چاہیے غصے میں جلد بازی سے کام نہ لو رعایہ کے عیبوں کو چھپاؤ تاکہ اللہ بھی تمہارے ان عیبوں کی پردہ پوشی کرے۔

۳_ مشورہ

اپنے مشورے میں کسی بخیل کو شریک نہ کرو تاکہ وہ تمہیں دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے سے روکے گا اور فقر و افلاس کا خطرہ دلائے گا،

کسی بزدل سے مشورہ نہ لینا کہ وہ تمہاری ہمت پست کر دے گا۔ کسی لالچی سے مشورہ نہ کرنا کہ وہ ظلم کی راہ سے مال بٹورنے کو تمہارے نظروں میں سجا دے گا۔

یاد رکھو کہ بخل، بزدلی، حرص، الگ الگ خصلتیں ہیں مگر اللہ سے بدگمانی ان سب میں شریک ہے[1]۔

۴۔ منزلت و مرتبے کا لحاظ

تمہارے نزدیک نیکو کار بدکار دونوں برابر نہ ہوں اس لیے کہ ایسا کرنے سے نیکوں کو نیکی سے بے رغبت کرنا اور بدوں کو بدی پر امادہ کرنا ہے ہر شخص کو اس کی منزلت پر رکھو جس کا وہ مستحق ہے[2]

۵_ انتخاب منصب داران

اپنے عہدے داروں کے بارے میں نظر رکھنا ان کو خوب آزمائش کے بعد منصب دینا کبھی صرف رعایت اور جانبداری کی بنا پر انہیں منصب عطا نہ کرنا اس لیے کہ یہ باتیں ناانصافی اور بے ایمانی کا سرچشمہ ہے ایسے لوگوں کو منتخب کرنا جو آزمودہ اور غیرت مند

---

[1] نہج البلاغہ، ص ۲۴۸

[2] نہج البلاغہ، ص ۷۴۹

ہوں اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہوں جن کی خدمات اسلام میں پہلے سے ہوں ایسے لوگ بلند اخلاق اور بے داغ غیرت والے ہوتے ہیں حرص اور طمع کی طرف کم جھکتے ہیں[1] .

۶۔ طبقہ بندی منصب داران

معلوم ہونا چاہیے کہ رعایا میں کئی طبقے ہوتے ہیں جن کے منافع ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔

۱۔ اللہ کی راہ میں کام انے والے فوجیوں کا طبقہ۔

۲۔ وہ طبقہ جو عمومی و خصوصی تحریروں کا کام انجام دیتا ہے۔

۳۔ انصاف کرنے والے قضات کا طبقہ ۔

۴۔ امن و انصاف قائم کرنے والے عمال کا طبقہ۔

۵۔ خراج دینے والے مسلمان اور جزیہ دینے والے ذمیوں کا طبقہ ہے.

۶۔ تجارت پیشہ اہل حرفہ کا طبقہ

۷۔ مساکین کا سب سے پست طبقہ.

ہر طبقے کا باریکی سے ذکر کیا ہے تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے[2]

۷۔ ذاتی اوقات کی تقسیم بندی

حضرت علیؑ نے مالک اشتر سے کہا تم اپنے اوقات کا ایک حصہ حاجت مندوں کے لیے معین کر دینا جس میں سب کام چھوڑ کر انہی کے لیے مخصوص ہو جانا اور ان کے لیے ایک عام دربار بنانا فوجیوں کو نگہبانوں اور پولیس والوں کو ہٹا دینا تا کہ کہنے والے بے دھڑک اپنی بات کو کہہ سکیں۔

پھر کچھ امور ایسے ہیں جنہیں خود تم ہی کو انجام دینا چاہیے جیسے حکام کے ان مراسلات کا جواب دینا ہے جو تمہارے منشیوں کے بس میں نہ ہو۔ روز کا کام اسی روز ختم کر دیا کرو کیونکہ ہر دن اپنے ہی کام کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

تم شب و روز کے اوقات میں اپنی جسمانی طاقتوں کا کچھ حصہ اللہ کے لیے سپرد کر دو[3]۔

۸۔ ناحق خون ریزیوں سے دامن بچائے رکھنا۔

---

[1] نہج البلاغہ، ص ۷۵۶

[2] نہج البلاغہ ص ۷۵۰

[3] نہج البلاغہ ص ۷۶۳, ۷۶۲

قیامت کے دن اللہ سبحانہ سب سے پہلے جو فیصلہ کرے گا وہ انہی خونوں کا جو بندگان خدا نے ایک دوسرے کے لیے بہائے ہیں لہذا ناحق خون بہا کر اپنے ایک اقتدار کو مضبوط کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ چیز اقتدار کو کمزور اور کھوکھلا کر دینے والی ہے۔

اس عہدنامے کے بعض اقتباسات کو اقوام متحدہ کے رسمی چارٹر برائے انسانی حقوق میں شامل کیا گیا ہے اور ان اصول کو ہندوستان کی قانون کی کتاب میں بھی شامل کیا گیا ہے بے شک یہ زرین اقوال ایک سیاسی لیڈر کے لئے بہترین اصول ہیں جو حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو بتائے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں جن پر ہمیں فخر کرنا چاہیئے۔ یہ یہی حقیقت میں ایک ملک اور اس پر حکومت کرنے کے لئے سیاسی اصول ہیں اسی مکتب کے پروردہ سید حسن مدرس نے ایرانی پارلیمیٹ میں ان الفاظ میں بیان کیا ''ہماری سیاسیت ہی حقیقت میں ہماری دینداری ہے اور ہماری دینداری ہماری سیاست ہے۔ علامہ اقبال نے بھی سیاست کو دین سے جدا نہیں جانا ہے وہ اپنے اس خوبصورت شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جُدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

گویا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں سیاست دین کا ایک جزہے جو ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے۔ اب جس کا جیسا دین ومذہب، ایمان وعقیدہ ہو گا ویسی اس کی سیاست ہو گی۔ اور قرآن کی نظر میں دین کی کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ البتہ اللہ کی نظر میں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔

یقیناً سیاست پسندیدۂ الٰہی دینِ اسلام کا ایک اہم ترین شعبہ ہے وہ دین جسے قرآن مجید میں ''دینِ قیّم'' کہا گیا ہے ''قیّم'' کے معنی: ذمہ دار، اچھا منتظم ومدبر اور نگراں کے ہوتے ہیں۔ اسلام میں وہی سیاست قابلِ تعریف ہے جو مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں صاف اور واضح ہو۔ اور اس کی مکمل وضاحت مولا علیؑ کے طرز حکومت وسیاست میں نمایاں طور سے آشکار ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سیاست یہ تھی کہ معاشرے کو اسلامی عدالت کے ساتھ چلایا جائے۔ یہی فرق ہے اسلام کے حقیقی رہنما اور دیگر نام نہاد اسلامی سربراہانِ مملکت کی سیاست میں ۔

آج کے معاشرے میں جو راہنما دوسروں کو زیادہ سے زیادہ دھوکا دے بیوقوف بنائے اتنا ہی بڑا سیاست دان ہے لیکن حضرت علیؑ کی سیاست کے اصول کو سمجھنے کے لئے ان کے اس قول کو سمجھنا کافی ہو گا

''خدا کی قسم۔۔۔ اگر دھوکہ بازی ایک بری صفت نہ ہوتی تو میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سیاست دان شخص ہوتا۔[1]

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۰

# حضرت زینب سلام اللہ علیہا پروردہ دامن وحی

ڈاکٹر شازیہ مہدی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو اہل بیت علیہم السّلام میں اعلیٰ اور روحانی مقام حاصل ہے کیونکہ آپ کی پرورش قرآن ناطق یعنی اصحاب کساء کے مکتب میں ہوئی ہے آپؑ پروردہ مکتب وحی ہے ایسے گھرانے میں آپ کی نشوونما ہوئی ہے. جو نزول قرآن کا مرکز تھا۔ جہاں بچوں کو قرآن کی تلاوت سے لوریاں سنائی جاتی تھی، جہاں فرشتوں کی آمد ورفت کا سلسلہ ہوتا تھا۔ جس گھرانے کے افراد سے خداوند عالم نے ہر پلیدگی اور گندگی کو دور رکھا۔ حضرت زینبؑ کی پرورش مکتب نبوت اور وحی میں ہوئی اور وہ اپنے نانا رسول خدا ﷺ کی بانہوں میں نبوت اور وحی کی خوشبو سونگ رہی تھی۔ اس عظیم خاتون کی پرورش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر امام سجاد علیہ السلام تک ۷ معصوموں کے وجود کو محسوس کیا۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام نے اپنی خواہر سے فرمایا: زادكِ الله كمالاً، نعم.. إنّه كما تقولين، إنّكِ حقّاً من شجرة النبوة ومن معدن الرسالة [1] یعنی درحقیقت آپ نبوت کے درخت اور رسالت کا مخزن ہیں۔

**ولادت حضرت زینب**

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کی اولاد کے بارے میں فرمایا: وُلدِ فاطمَةَ فَانَا وَلِيُّهُم وَ عُصبَتُهُم، وَ هُم خُلِقُوا مِن طِينَتِي ويل للمكذبين بفضلهم، من أحبهم أحبه الله و من أبغضهم أبغضه الله [2]

فاطمہ کی اولاد کا میں ولی اور سرپرست ہوں، وہ میرے جوہر کی مٹی اور میری ذات کے خمیرے سے پیدا کیے گئے ہیں۔ افسوس ان کے لیے جو ان کے فضل اور عظمت کا انکار کرتے ہیں اور جو ان سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور جو ان کا دشمن ہے، خدا اس کا دشمن ہے۔" اس حدیث کے مطابق جناب زینبؑ بھی ان اولاد میں شریک ہے۔ آپ نے ولادت سے ہی وحی کی آغوش میں قدم رکھا اسی لیے آپ کا اسم مبارک بھی خداوند متعال کی طرف متعین ہوا۔

زینب کا مطلب ہے باپ کی زینت اور یہ وہ نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی لڑکی کے لیے چنا جو اپنے مشن کی تکمیل سے تاریخ اسلام کی زینت بنی اور جس نے اپنے کردار و اعمال سے اہل بیت اطہار کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ کربلا کی تاریخ میں زینب کا نام اسلام اور شیعیت کی لازوال تاریخ ہے، آپؑ کی قربانیوں کی وجہ سے ہی یہ تاریخ نہایت حسین، روشن اور جاودان ہے۔

---

[1] زینب الکبریٰ من المھد الی اللحد نوینده سید محمد قزوینی، جلد ۱، صفحہ ۳۸۵

[2] عوالم العلوم والمعارف والأحوال من الآيات والأخبار والأقوال: جلد ۱۱، صفحہ ۱۰۲۱

جناب زینب کبریٰ کی ولادت کے وقت، جب رسول خدا ﷺ سفر میں تھے، جناب فاطمہ سلام اللہ علیھا نے اپنے شوہر حضرت علی علیہ السّلام سے کہا کہ وہ اپنے بچے کے لئے ایک نام منتخب کریں۔ مولا علیؑ نے جواب دیا: میں تمہارے والد سے سبقت نہیں لے سکتا۔ ہم انتظار کرتے ہیں جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اپنے سفر سے واپس نہ آجائیں۔ جب پیغمبر ﷺ تشریف لائے اور علی علیہ السّلام سے اس معصوم بچی کی ولادت کی خبر سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ کی اولاد میری اولاد ہیں لیکن خداوند متعال ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے بعد جناب جبرائیل امین پیغام لے کر آئے کہ اے رسول ﷺ خدا آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ اس بچی کا نام زینب رکھیں اور میں نے لوح محفوظ میں یہ نام لکھا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے حضرت زینبؑ کو گود میں لیا اور بوسہ لیا اور فرمایا: میں سب کو تاکید کرتا ہوں کہ اس لڑکی کی عزت کریں، جو خدیجہ کبریٰ جیسی ہے۔[1]

## تعلیم و تربیت

ہر انسان کی تعلیم و تربیت میں تین عوامل کارگر ہوتے ہیں: موروثی، ماحول اور استاد۔ جناب زینب سلام اللہ علیھا کے یہ تینوں عوامل منفرد تھے۔ ایک بے مثال خاندان، تمام انسانی خوبیوں اور صلاحیتوں کا تعلیمی ماحول اور منفرد پاکیزہ استاد جو بنی نوع انسان کے سب سے بڑے استاد اور ھادی تھے۔ اسطرح جناب زینب سلام اللہ علیھا نے ہر دن اور ہر گھڑی وحی کے منبع و مخزن سے تقویٰ و پرھیزگاری، صبر و بردباری، رضایت و قربت الٰہی وغیرہ کے تازہ ترین اسباق حاصل کیے۔ آپؑ نے عظیم تاریخی واقعات کا تجربہ کیا اور اپنے والدین اور بھائیوں کے دور میں مختلف انقلابات کا مشاہدہ کیا اس لیے اپنی والدہ کی شہادت کے بعد وہ اپنے والد کی داعی بن گئی اور حق کی فراہمی اور اسلام کے مقدس مقاصد اور مشن کو عام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ایک دن حضرت زینب سلام اللہ علیھا اپنے والد محترم حضرت علیؑ کے پاس بیٹھی تھیں، آپؑ اپنی بیٹی کو خصوصی شفقت اور محبّت سے پڑھا رہے تھے، اس وقت حضرت علیؑ، زینب کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہا: بیٹی کہو: ایک۔ زینبؑ نے کہا: ایک۔ مولاؑ نے فرمایا: کہو دو جناب زینبؑ خاموش رہیں، حضرت علیؑ نے فرمایا: میری بیٹی، تم خاموش کیوں ہو حضرت زینبؑ نے معصوم لہجے میں کہا: بابا ایسی زبان جو ایک کہنے کی عادی ہو، لفظ دو کیسے کہے۔ زینب سلام اللہ علیھا کی مراد خدا کی وحدانیت تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؑ کے وجود کا ہر حصہ خدا کی توحید کی گواہی دیتا تھا۔

حضرت علی علیہ السّلام اپنی بیٹی کے اس عمیق جواب سے بہت خوش ہوئے، آپ نے ان کو محبت اور عزت کی بنا پر اپنے سینے سے لگالیا اور اور آنکھوں کا بوسہ دیا۔[2]

## عبادت زینب

---

[1]: زیباترین شکیب زندگانی حضرت زینب، اکبر اسدی و مہدی رضائی، ص ۲۰.

[2]: حضرت زینب فروغ تابان کوثر، ص ۳۵

عبادت رب العزت کا قرب حاصل کرنے اور اس کی پاک بارگاہ میں خدمت کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور ہر شخص عبادت کے ذریعے ہی کسی درجہ اور مقام تک پہنچتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی مقصد تخلیق عبادت ہی کو بتایا ہے۔ وَما خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُونِ[1] میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ میری عبادت کریں

الَّذِینَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِکْرِ اللَّهِ أَلا بِذِکْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ[2]

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے سکون پاتے ہیں، جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے

مفسّر قرآن حضرت زینبؑ اپنی زندگی میں کبھی بھی عبادت اور بندگی پروردگار سے غافل نہیں رہی۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کی بارگاہ میں محسوس کرتی تھیں۔ عاشورہ کے عظیم واقعہ میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے ساتھ پیش آنے والے تمام ناخوشگوار واقعات کے باوجود اپنی عبادت سے کبھی دستبردار نہیں ہوئی بلکہ عاشورہ کی جنگ اور مصائب کے درمیان اپنی واجب نمازوں کے علاوہ نماز شب کو کبھی ترک نہیں کیا اور خدا کی عبادت میں مشغول رہی۔ امام سجاد علیہ السّلام فرماتے ہیں: "عمتی زینَب ما تَرکت تہجدَها طولَ دَهرها حتّٰی لیلة حادی عشر من المُحَرَّم" میری پھوپھی زینبؑ نے اپنی پوری زندگی میں نماز شب کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ محرم کی گیارہویں رات میں بھی۔"[3] ثانی زہراؑ عبادت خدا سے اپنے دل اور روح کو سکون دیتی تھی اور اپنی والدہ کی طرح ہمیشہ اپنے رب کی بارگاہ میں دست بہ دعا رہتی تھی۔

**علوم حضرت زینب**

حضرت زینب سلام اللہ علیہا ان عظیم خواتین میں سے ہیں جن کی اہل بیت علیہم السلام نے تمجید کی ہے اور ان کا تذکرہ ایک عقلمند، باوقار، صابر اور بے لوث خاتون کے طور پر کیا گیا ہے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق میں ان سے کئی القابات منسوب کیے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ اس طرح ہیں: عالمة غیر معلمة، فهیمة غیر مفهمة، عقلیه بنی ہاشم وغیرہ، بلاشبہ اہل بیت علیہم السلام کے نقطہ نظر سے زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے علمی مقام کے بارے میں بہترین حدیث امام سجاد علیہ السلام کی ہے جس میں آپؑ نے فرمایا۔ آپؑ بغیر تعلیم اور فہم کے عالمہ اور مفہمہ ہے: أَنْتِ بِحَمْدِ اللهِ عالِمَةٌ غَیْرَ مُعَلَّمَةٍ وَ فَهِمَةٌ غَیْرُ مُفَهَّمَةٍ[4]

[1] سورہ ذاریات، آیہ ۵۶

[2] سورہ رعد، ۲۸

[3] عوالم العلوم والمعارف والأحوال من الآیات والأخبار والأقوال، ج۱۱، ص ۹۵۴۔ ریاحین الشریعہ، ج ۳، ص ۶۲

[4] مجلسی، ۱۴۰۴ق، ج۴۵: ۱۶۴

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کہ جن کی پرورش اعلیٰ، باعلم و فھم والدین کی گود میں ہوئی اسی لیے آپؑ اپنے اندر ایسی قرآنی صلاحیت پیدا کر سکیں جس سے آپؑ نے خدا کی خاص رحمت اور برکت حاصل کی۔ حضرت زینبؑ کے قرآنی علم کے بارے میں ایک اور نکتہ جس کا تذکرہ کیا جانا چاہیے وہ کوفہ اور شام کے آتشین خطبات میں آیات الٰہی کا استعمال اور متعدد اقتباسات ہے، جو زینبؑ کے فصیح و بلیغ الفاظ کے مطابق ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر آپ نے کوفہ میں اپنے روشن خطبہ میں کوفے والوں سے مخاطب ہو کر کہا:

وَيلَكم، أتدرونَ أي كَبِدٍ لِمُحَمَّدٍ فَرَيتُم ؟ وأي دَمٍ لَهُ سَفَكتُم ؟ وأي كريمَةٍ لَهُ أصبتُم ؟ لَّقَدْ جِئْتُمْ شيئا إِدًّا تكادُ السمَاوَاتُ يتفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (مریم ۸۹-۹۰)، ولَقَد أتَيتُم بها خرقاءَ شَوهاءَ، طِلاعَ الأَرضِ وَالسَّماءِ. أفَعَجِبتُم أن قَطَرَتِ السَّماءُ دَما وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى (فصلت ۱۶)، فَلا يستَخِفَّنَّكُمُ المَهَلُ، فإِنَّهُ لا يحَفِزُهُ البِدارُ، ولا يخافُ عَلَيهِ فَوتُ الثّأرِ، كلّا إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (فجر، ۱۴).[1]

نیز، زینب کبری سلام اللہ علیہا، کا تعلق اس پاک اور پاکیزہ درخت سے تھا جس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ ابراہیم کی آیت ۲۴،۲۵ میں کیا گیا ہے اور آپ کی پرورش آغوش رسالت اور علم الٰھی کے مرکز میں ہوئی تھی۔

**صبر و بردباری**

دین مبین اسلام اور قرآن کی تعلیمات میں صبر اور بردباری کو اس حد تک اہمیت حاصل ہے کہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی احادیث میں اس کا موازنہ جسم کے لیے سر سے کیا گیا ہے۔ اور قرآن اور احادیث میں اس پر بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے، اور بہت سی برکات اور آسانی درجات کو صبر پر منحصر سمجھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی مقامات پر صبر کی نصیحت کی ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں ستر سے زائد مرتبہ آیا ہے۔ امام علی علیہ السلام کی ایک روایت کے مطابق گناہ پر صبر، عبادت پر صبر اور مصیبت پر صبر، صبر کی اقسام ہیں۔ چناچہ قرآن میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ[2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ[3] بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر کسی شمار کے دیا جائے گا۔

" وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ. الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ[4]

---

[1]: زینب الکبریٰ من المھد الی اللحد نویندہ سید محمّد قزوینی، جلد ۱، صفحہ ۲۲۸،۲۲۷

[2]: سورہ بقرہ آیہ ۱۵۳

[3]: سورہ زمر، آیہ ۱۰

[4]: سورہ ۲، البقرہ، آیات ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷

صابرین کو خوشخبری سنادو۔ جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

تاریخ نے جناب زینبؑ جیسی صابر عورت کو کبھی نہیں دیکھا، وہ ام المصائب یعنی مصائب کی ماں ہے، جب بھی زینبؑ کا ذکر آتا ہے تو صبر کا لفظ ذہن میں آتا ہے، وہ خدا کے صبر کا مجسم ہے، مدینہ میں زندگی کی تمام سختیوں کے خلاف اس کا صبر و استقامت، کربلا میں، کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک جناب زینبؑ کا صبر کسی سے پوشیدہ نہیں۔ زینب کا صبر اس کے خوبصورت جملے سے ماخوذ ہے۔

مَا رَأَیتُ إِلَّا جَمِیلاً[1] "میں نے خوبصورتی کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھا"

**ایثار وفداکاری**

قرآن کے مطابق نیک انسان کی سب سے بڑی صفت ایثار اور قربانی ہے۔ جسطرح اصحاب کساء نے تین دن روزے رکھے اور تینوں دن افطار کے موقع پر اپنی روٹیاں مسکینوں، یتیموں اور اسیروں میں تقسیم کی۔ انہی اصحاب کساء سے تربیت یافتہ جناب زینبؑ جود و سخاوت، ہمدردی اور قربانی کی بہترین نمونہ بن گئی چنانچہ امام سجّاد علیہ السّلام نے فرمایا:

"اِنَّ عَمَّتی زَیْنَب کانَتْ تُؤَدّی صَلَواتِها مِنْ قِیام، اَلفَرائِضَ وَ النَّوافِلَ، عِنْدَ مَسیرِنا مِنَ الکُوفَةِ اِلَی الشّامِ، وَ فی بَعْضِ المَنازِلِ تُصَلّی مِنْ جُلُوسٍ... لِشِدَّةِ الجُوعِ وَ الضَّعْفِ مُنْذُ ثَلاثِ لَیالٍ لاَنَّها کانَتْ تَقْسِمُ ما یُصیبُها مِنَ الطَّعامِ عَلَی الاَطْفالِ، لِاَنَّ القَوْمَ کانُوا یَدْفَعُونَ لِکُلِّ واحِدٍ مِنّا رَغیفاً واحِداً مِنَ الخُبْزِ فِی الیَوْمِ وَ اللَّیلَة[2] در حقیقت میری پھوپھی زینبؑ کوفہ سے شام تک کے سفر میں اپنی تمام واجب اور مستحب نمازیں کھڑے ہو کر پڑھتی تھیں اور بعض مقامات پر بیٹھ کر پڑھتی تھیں جو بھوک اور کمزوری کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ تین راتیں ایسی گذری کہ جب آپؑ کو ملنے والا کھانا، آپ نے بچوں میں تقسیم کر دیا کیونکہ وہ لوگ (لشکر یزید) ہمیں دن رات ایک روٹی سے زیادہ نہیں دیتے تھے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے کس طرح تین دن اور رات کی بھوک برداشت کی۔ وہ اپنے حصے کا کھانا چھوٹے بچوں اور امام معصوم علیہ السلام کو دیتی ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی زندگی کے تمام پہلوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے آپؑ کی پرورش وحی کے گھر میں ہوئی۔ جب ہم اس عظیم خاتون کے طرز عمل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہی سچائی اور حقیقت ملتی ہے۔

---

[1]: حضرت زینب من المهد الی اللهد، جلد ۱، ص ۲۳۵

[2]: ریاحین الشریعه، ج ۳، ص ۶۲، زینب الکبری علیہا السلام من المهد الی اللحد جلد ۱، ص ۲۴۶،۲۴۵

# حضرت ابو طالب علیہ السلام تاریخ کی مظلوم شخصیت

سید محمد مجتبیٰ علی رضوی، کلکتوی

تمہید

قبیلہ قریش کے مورث اعلی جناب ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ نے بحکم خدا اپنی زوجہ جناب ہاجرہ اور شیر خوار فرزند جناب اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے بیابان میں خانۂ خدا کے پاس چھوڑا اور خدا کی بارگاہ میں اس طرح عرض مدعا کیا رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ[1] پروردگار میں نے اپنے خاندان میں سے کچھ افراد (ماں، بیٹے) کو ایک بنجر زمین (بے آب ودانہ صحرا) میں تیرے محترم گھر کے پاس ٹھہرایا ہے۔ جہاں اس زمانہ میں زندگی کا کوئی امکان نہ تھا، وہاں ایک خاتون اور ایک معصوم بچے کو مختصری خوراک کے ساتھ چھوڑ دیا اور جب موجودہ پانی ختم ہوا اور وہ معصوم بچہ پیاس کی شدت سے بے تاب ہوا تب ماں اپنے بچے کی پیاس بجھانے کے لئے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بیتابانہ ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کی طرف دوڑتی رہی تا کہ کہیں پانی نظر آجائے اور بچہ کی پیاس بجھ سکے، آخر کار ماں کے اس خلوص اور اضطراب کو دیکھ کر قدرت نے چشمہ زمزم جاری کر دیا جو آج تک رواں دواں ہے اور لاکھوں لوگوں کو سیراب کر رہا ہے اسی وقت سے وہ بے آب وگیاہ علاقہ آباد ہونے لگا، یہاں تک کے بہت سے قبیلے آباد ہو گئے اور جناب اسماعیل کا خاندان قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ومعروف ہوا اور شہر مکہ کو بھی خانہ خدا اور زمزم کی وجہ سے مرکزیت حاصل ہو گئی اور قریش وہاں کے ذمہ دار اور کلید بردار خانۂ خدا ہونے کی وجہ سے سرداری کے لئے مشہور ہوئے اس وقت سے لے کر ظہور اسلام تک ہر دور میں اس قبیلہ نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا اور یہ سلسلہ جناب عبد المطلب تک آیا۔ جو اپنے دور کے نہایت معزز ومحترم شخصیت تھے۔ جناب عبد المطلبؑ کے یوں تو کئی فرزند تھے لیکن ان میں سے دو عظیم ہستیاں جناب عبد اللہؑ اور جناب ابو طالبؑ تھیں، جناب عبد اللہ رسول اکرم کے والد محترم تھے لیکن آپ کا انتقال اسی وقت ہو گیا تھا جب آپ شکم مادر میں تھے، ولادت کے بعد آپ کی سرپرستی آپ کے دادا جناب عبد المطلب نے سنبھالی، لیکن جب آپ آٹھ برس کے ہوئے تو شفقت جدی سے بھی محروم ہو گئے اور اس کے بعد آپ کی سرپرستی اور کفالت کی ذمہ داری آپ کے چچا جناب ابو طالبؑ پر آگئی۔ جناب ابو طالبؑ بنی ہاشمؑ کے سردار اور آپ کے سرپرست مقرر ہوئے جس وقت آپ کے ذمہ اتنی بڑی ذمہ داری آئی اس وقت مکہ میں قحط پڑنے کی وجہ سے آپ کے مالی حالات کچھ خراب ہو گئے[2] لیکن آپ نے اپنی ذمہ داریوں میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی نہیں آنے دی۔

---

[1] سورہ ابراہیم، آیت ۳۷

[2] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۱

## جناب ابوطالبؑ کی مظلومیت

جناب ابو طالب تاریخ کی وہ مظلوم شخصیت ہیں کہ جن کا ایمان ابتداء اسلام سے ہی موضوع گفتگو بنا ہوا ہے اور متعصب لوگوں نے اہل بیتؑ کی دشمنی میں اکثر و بیشتر جناب ابو طالبؑ کے ایمان پر انگلی اٹھائی ہے اور ان کے ایمان کا مسلسل انکار کرتے رہے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی قربانیوں کو بھی پوری طرح نظر انداز کیا گیا، ان کے ایثار اور کارنامے بھی تعصب کی بھینٹ چڑھ گئے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر جناب ابو طالبؑ کا ایثار قربانی اور مکہ والوں سے مسلسل سرد جنگ اور خاموش لڑائی جہاں اکیلے محاذ سنبھالے ہوئے تھے یہ سب قربانیاں نہ ہوتیں تو اسلام مکہ کی وادیوں میں اپنی جگہ نہیں بنا پاتا اور نہ ہی اس وادی سے باہر نکل پاتا۔ ان سب کے باوجود جناب ابو طالبؑ کی کردار کشی کی گئی اور بدنام کیا گیا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بہت سی بڑی شخصیتوں کے باپ دادا کی عالم کفر میں ہی زندگی گزری یہاں تک کہ وہ اسلام کے کھلے ہوئے دشمن بھی رہے تو ان کو یہ کیسے برداشت ہوتا کہ سب کے باپ کا تذکرہ کفر کے ساتھ ہو اور حضرت علیؑ کے والد محترم کا تذکرہ ایمان کے ساتھ ہو یہ سب حضرت علیؑ کی دشمنی کیا گیا۔

اسی وجہ سے مکتب اہل بیتؑ میں بھی ہر موقع پر ایمان ابو طالب سے متعلق مفصل گفتگو کی گئی ہے اور ہر دور میں اور ہر وقت ان کے صحیح کردار کو پیش بھی کیا گیا اور ان کے ایمان کو بھی ثابت کیا گیا چنانچہ یہاں مختصر طور پر ہم ایمان ابو طالبؑ کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی دو حدیث کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں۔ جب صادق آل محمد امام صادق علیہ السلام کے سامنے جناب ابو طالبؑ کے ایمان کی بات کہی گئی کہ لوگ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تو آپ نے فرمایا کہ جناب ابو طالب کے ایمان کی مثال ویسی ہی ہے جیسے کہ اصحاب کہف کی تھی کہ جنہوں نے حالات کے پیش نظر اپنے ایمان کو چھپا کر رکھا اور ظاہری طور پر ویسے ہی زندگی گزاری جیسے شہر والوں کی تھی۔ امام فرماتے ہیں: "اِنَّ مَثَلَ اَبِیْ طَالِبٍ مَثَلَ اَصْحَابِ الْکَھْفِ اَسَرُّوْا الْاِیْمَانَ وَ اَظْھَرُوا الشِّرْکَ فَآتَاھُمُ اللّٰہُ اَجْرَ ھُمْ مَرَّتَیْنِ" جناب ابو طالبؑ کی مثال اصحاب کہف کی جیسی ہے کہ جنہوں نے ایمان کو چھپایا اور اسی طرح زندگی گزاری جس طرح اہل شہر کی تھی، جس کی وجہ سے اللہ نے انہیں دوہرا اجر دے گا۔ اسلام کے دفاع اور اس کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایک ایسا پشت پناہ ہو جو اہل مکہ جیسا ہو تاکہ وہ دشمن اس کو اپنا مخالف نہ سمجھیں اور وہ ان کے بیچ رہتے ہوئے اسلام کا دفاع کر سکیں۔ [2]

اسی طرح ایک دفعہ جب کچھ لوگ حضرت امام صادقؑ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ لوگ جناب ابو طالب کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہیں، اس پر آپ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر آپ نے دلیل کو طور پر جناب ابو طالبؑ کے قصیدہ کا ایک

---

[1] الوافی، ج ۳، ص ۶۹۸، ح ۱۳۰۴

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۵، ص ۲۱۹

شعر پیش کیا جس میں پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کا اقرار اور تذکرہ ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "قِيلَ لَهُ اَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ كَانَ كَافِراً. فَقَالَ كَذَّبُوا كَيْفَ يَكُونُ كَافِراً وَ هُوَ يَقُولُ: اَلَمْ تَعْلَمُوا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّداً نَبِيّاً كَمُوسَى خَطّ فِي اَوَّلِ الْكُتُبِ"[1] جب امام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ لوگ جناب ابو طالبؑ کو کافر کہتے ہیں تو امام نے جواباً فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں کیسے وہ کافر ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اپنے اشعار میں یوں فرماتے ہیں "کیا نہیں جانتے کہ ہم نے محمد کو ویسا ہی نبی پایا جیسے موسی تھے، جن کا تذکرہ گذشتہ کتب میں بھی موجود ہے۔

**محافظ اسلام**

جب پیغمبر اکرمؐ نے اپنی رسالت کا اعلان عام کیا تو اس وقت پورا مکہ آپ کا مخالف ہو گیا اور اپنے بتوں کی مذمت اور ان کی برائی سننے کی وجہ سے حضورؐ کا دشمن ہو گیا اور مسلمانوں کو اذیت دینے لگا۔ جہاں تمام شہر دشمن تھا ایسی صورت میں صرف حضرت ابو طالبؑ ہی تھے جو اپنی پوری طاقت اور اثر و رسوخ کے ساتھ رسول اکرم، اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے اور آنحضرت کی اور اسلام کی حفاظت فرما رہے تھے۔ قریش دشمن تھے لیکن قبائلی نظام ہونے اور بنی ہاشم اور خاص کر جناب ابو طالبؑ کی حمایت کی وجہ سے رسول اکرم کو براہ راست اذیت دینے کی صورت میں پورے قبیلہ قریش خاص کر بنی ہاشم کی مخالفت کا سامنا ہوتا اسی وجہ سے ایسا کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی اور شہر کے سرکردہ لوگوں نے یہی بہتر سمجھا کہ جناب ابو طالبؑ سے گفتگو کی جائے۔

آخر کار کفار مکہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب ابو طالبؑ کو جنگ کی سخت دھمکی دے ڈالی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دھمکی کے جواب میں اپنے عزیز و شفیق چچا سے گفتگو کی اور فرمایا چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے اس کام (تبلیغ اسلام) سے رکنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ یا خدا مجھے اس کام میں کامیابی عطا کرے یا میں اس راہ میں قربان ہو جاؤں۔[2] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب کے بعد جناب ابو طالبؑ نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ حضور کی حمایت کا اعلان کر دیا اور قریش کو باخبر کر دیا کہ اگر محمد کو کوئی بھی گزند پہنچا تو بنی ہاشم کے انتقام سے کوئی بھی بچ نہیں سکے گا۔[3]

اسی بنا پر جب تک جناب ابو طالبؑ بقید حیات رہے کسی میں ہمت و جرائت نہ ہوئی پیغمبر اکرمؐ کو کوئی نقصان پہنچائے۔ صاحب عبقات الانوار فرماتے ہیں: جاحظ تمام مخالفت کے بعد بھی حضرت ابو طالبؑ کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ جب تک جناب ابو طالبؑ زندہ تھے قریش اور اہل مکہ کی ہمت نہ ہوئی کہ پیغمبر اسلامؐ کو اذیت (براہ راست حملہ کرنے کی) دینے کی اور نقصان پہنچانے کی۔[4]

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۴۶۳

[2] تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۰۰

[3] سیرہ ابن ہشام، ص ۲۸۷

[4] عبقات الانوار، ج ۳، ص ۱۲۸

جناب ابو طالبؑ کے لئے پیغمبر اکرم سے بڑھ کر کچھ نہ تھا

جناب ابو طالبؑ کے لئے آنحضرت کی سلامتی اور حفاظت سے بڑھ کر کچھ نہ تھا اور وہ آپ کے لئے کچھ بھی کر سکتے تھے، تمام اہل مکہ سے ٹکرا بھی سکتے تھے۔ لہٰذا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہی ملاقاتوں میں سے ایک دن جب اہل مکہ جناب ابو طالبؑ کے حضور میں پیغمبر اکرم سے گفتگو کے لئے آئے اور ناکامی کے ساتھ لوٹنے لگے تو اس وقت ان میں سے ایک عقبہ بن ابی معیط نے کہا کہ ان کو سمجھانے سے کچھ نہیں ہو گا ہمیں چاہیئے کہ سب مل کر ان کا کام تمام کر دیں، تب ہی ان کو روک سکتے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ اس وقت جناب ابو طالبؑ کے گھر میں مہمان کی حیثیت سے آئے تھے اس لئے جناب ابو طالبؑ نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا اور بردباری سے کام لیتے ہوئے انہیں رخصت کیا۔ لیکن اس بات کو نظر انداز بھی نہیں کیا اتفاقاً اگلے ہی دن حضور اکرمؐ جب بیت الشرف سے نکلے اور اپنے معمول سے زیادہ دیر کر دی اور شام تک جب گھر نہیں لوٹے تو اہل خانہ اور قبیلے کے افراد میں باتیں ہونے لگیں کہ محمد ابھی تک نہیں لوٹے ہیں اسی وقت جناب ابو طالبؑ کو گذشتہ روز کی بات یاد آئی اور آپ نے فوراً اپنے جوانوں کو بلایا اور سب کو ہتھیار سے آراستہ ہونے کا حکم دیا اور کہا سب میرے ساتھ خانہ خدا کے نزدیک جہاں اہل مکہ کی نشستیں ہوتی ہیں وہاں چلو اور اگر خدا نخواستہ محمد کے قتل کی تصدیق ہو گئی تو میری آواز بلند ہوتے ہی تم سب مکہ کے سرداروں کو تہہ تیغ کر ڈالنا، ابھی آپ کوچ کرنا ہی چاہتے تھے کہ زید بن حارثہ آ گئے انہوں نے جب آپ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو حالات دریافت کئے سب نے بتایا کہ محمد کی کافی دیر سے کوئی خبر نہیں ہے جس کی وجہ سے احتمال ہے کہ اہل مکہ نے کوئی برا قدم اٹھایا ہے اسی وجہ سے ہم سرداران مکہ سے حساب لینے جا رہے ہیں، زید نے فوراً کہا کہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محفوظ ہیں اور فلاں صحابی کے مکان میں مصروف تبلیغ ہیں، یہ کہہ کر دوڑتے ہوئے حضور کی خدمت میں پہنچے اور حالات سے آگاہ کیا، رسالتمآب یہ سنتے ہی چچا کے پاس پہنچے۔ تاکہ آپ کو اطمئنان ہو جائے چچا نے دیکھتے ہیں سکون کا سانس لیا اور کہا: این کنتَ یابن اخی ا کنتَ فی خیر ؟ اے میرے بھتیجے کہاں تھے ؟ کیا آپ خیریت سے ہیں ؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا چچا جان میں محفوظ ہوں۔

تب چچا کی جان میں جان آئی لیکن اس کے باوجود جناب ابو طالبؑ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اگلے دن ان ہی جوانوں کو لے کر خانہ خدا کے پاس سرداروں کی نشست کے وقت پہنچ گئے اور کل پیش آنے والے ماجرے اور عقبہ بن معیط کی دھمکی دونوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر کل کچھ ایسا ہوتا تو میں تم سب کو ختم کر دیتا اور پھر اپنے جوانوں سے اپنے اپنے ہتھیار نکالنے کے لئے کہا اور سب کو کھلے عام کہہ دیا کہ اگر کسی نے ایسا سوچا بھی کہ محمد کو کوئی نقصان پہنچائے تو تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔[1] جناب ابو طالب کا رعب اتنا تھا کہ جب تک آپ باحیات رہے کسی میں حضور کو گزند پہنچانے کی ہمت تک نہ کی۔

[1] فرازہای از تاریخ پیامبر اسلام سے ماخوذ، ص ۱۶۰

## جناب ابو طالبؑ کا پیغمبر اکرم سے والہانہ عشق

اہل مکہ سال میں ایک بار شام کا تجارتی سفر ضرور کرتے تھے اور اپنے اموال تجارت کو لے کر شام جایا کرتے تھے چنانچہ جناب ابو طالبؑ بھی سفر کے لئے تیار ہوئے اور بھتیجے کو بھی ساتھ لے لیا، جب قافلہ روانہ ہوا اور مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا ابھی شام کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بُصریٰ نامی جگہ پر معمول کے مطابق قافلہ رکا وہاں ایک راہب تھا کہ جو وہاں کے معبد (بحیرا) میں عبادت کیا کرتا تھا اسے قافلے کی خبر ہوئی تو ملاقات کے لئے وہاں پہنچا اس وقت حضور اقدس کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر کافی متاثر ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ بچہ کس کا ہے سب نے کہا کہ یہ سردار مکہ ابو طالبؑ کا بھتیجا ہے اس راہب نے جناب ابو طالبؑ سے کہا کہ میں اسے جانتا ہوں یہ نبی ہے اور اس کی صفات اور اس کے کمالات میں نے اپنی کتابوں میں بہت پڑھے ہیں یہ وہی پیغمبرؐ ہے جس کی تمام آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے اور تمام کتابیں اس کے فضائل سے بھری ہوئی ہیں، لیکن شام جانا اس کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اگر یہودیوں کو اس کے آنے کی خبر ہوگئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسے ابھی ہی قتل کر ڈالیں۔ جناب ابو طالبؑ نے اس احتمالی خطرہ کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کی چارہ جوئی میں لگ گئے اور فیصلہ یہ کیا کہ حضورؐ یہاں سے آگے نہیں جائیں گے بلکہ وہ خود آپ کو لے کر یہاں سے مکہ لوٹ جائیں گے اور سفر کو ادھورا چھوڑ دیں گے باقی سب کو شام روانہ کر کے آپ واپس آگئے[1] یہ تھا جناب ابو طالبؑ کا پیغمبرؐ سے عشق کہ آپ کی جدائی بھی برداشت نہیں ہوسکی اور آپ کی حفاظت سے بڑھ کر کچھ اور نہیں تھا اس لئے منزل سے قریب جا کر بھی تجارت کو چھوڑ کر واپس آگئے۔

## آخر کلام

جناب ابو طالبؑ کا کردار وقت کے تقاضوں اور اسلام کی مصلحت کے ساتھ مکمل کردار تھا، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو خداوند عالم ان کے کاموں کو اپنی طرف نسبت نہ دیتا چنانچہ یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور پرورش خود جناب ابو طالبؑ انجام دے رہے ہیں اور خداوند عالم فرمارہا ہے کہ ہم نے آپ کو یتیم جان کر آپ کی کفالت اور پرورش کی أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى[2] یہ اشارہ ہے کہ ابو طالبؑ کا کردار اسلامی مصلحتوں کے مطابق تھا اگر ابو طالبؑ کھلے عام اپنے اسلام کا اعلان کر دیتے تو پھر ان کو اسلام کی حفاظت کا وہ موقع نہیں ملتا تو انہیں ملا ہے۔ بس انہوں نے اپنی زبان سے اعلان نہیں کیا لیکن ان کے اعمال ان کا کردار اس بات پر پوری مکمل دلیل ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں جناب ابو طالبؑ سے بڑا اسلام کا کوئی محافظ نہیں تھا کیونکہ باقی نے اسلام کی مدد اور حفاظت میں اس وقت شرکت کی کہ جب اسلام نے اپنی پہچان بنالی لیکن ابو طالبؑ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے شجر اسلام کی آبیاری اس وقت کی

---

[1] تاریخ طبری، ج۱، ص ۳۳۔۳۴، سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص ۱۸۳

[2] سورہ ضحی، آیت ۶

تھی کہ جب اس کی کوئی پہچان نہیں تھی ۔ جب اس کا وجود مکہ کی چند گلیوں میں ہی محدود تھا، جب چند کمزور اور غریب لوگ ہی حلقہ اسلام سے وابستہ ہوئے تھے وہاں اپنے پورے اثر و رسوخ اور پوری طاقت کے ساتھ اسلام کا دفاع کیا اور پورے کفار مکہ سے اکیلے دم پر مقابلہ کیا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس سال جناب ابو طالبؑ کی وفات ہوئی اسی سال رسول اکرمؐ کو مکہ بھی چھوڑنا پڑا، اس سے عظمت ابو طالبؑ کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ جناب ابو طالبؑ اکیلے ۱۳ برس تک مکہ میں اسلام کی حفاظت کرتے رہے ۔ لیکن بعد میں اسلام سے فائدہ اٹھانے والوں، تعصبی لوگوں اور خود خواہ افراد نے ان کے ساتھ احسان فراموشی میں کوئی کسر نہیں اٹھائی بلکہ کھلے عام ان کے اسلام کا انکار کرنے لگے ۔ اور اس کے لئے بنی امیہ کے حدیث گڑھنے کے کارخانوں میں جھوٹی احادیث گڑھ کر پیغمبر اکرمؐ کی طرب منسوب کی گئیں ۔ یہ صرف حضرت علیؑ کی دشمنی میں تھا۔ لیکن حق کا کمال ہی یہی ہے کہ وہ سر چڑھ کر بولتا ہے جھوٹی حدیث گڑھنے والوں کی تمام کوششیں ریت کی خستہ دیوار ثابت ہوئیں اور ہر صاحب نظر کو یہ محسوس ہونے لگا کہ جناب ابو طالبؑ جیسی عظیم شخصیتوں کو ایمان لانے اور اسے ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ ایمان تو وہ ثابت کرے جس کی زندگی کفر کی حمایت میں گزری ہو لیکن جو محافظ اسلام ہو اس کے ایمان پر گفتگو کرنا گویا اپنے ایمان کو باطل کرنا ہے ۔

# جزیرہ نمائے عرب پر بعثت نبوی کے اثرات

سید حمید الحسن زیدی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثتِ سے قبل جزیرہ نمائے عرب ایک ایسا علاقہ تھا جو جغرافیائی، معاشرتی، اور مذہبی اعتبار سے انتہائی زوال کا شکار تھا۔ اس دور کو "دور جاہلیت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جہاں علم و تہذیب کا فقدان، قبائلی عصبیت، اور اخلاقی پستیوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ جس کا مختصر خلاصہ کچھ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے

**۱۔ جغرافیائی حیثیت:**

جزیرہ نمائے عرب زیادہ تر ریگستانوں پر مشتمل تھا، جہاں پانی کی قلت اور سخت موسمی ماحول لوگوں کی زندگی کو مشکلوں سے دوچار کئے ہوئے تھا اس کے باوجود یہ علاقہ تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا کیونکہ شام اور یمن کے لئے تجارتی قافلے یہیں سے ہو کر گزرتے تھے۔

**۲۔ معاشرتی ڈھانچہ:**

معاشرتی طور پر جزیرہ نمائے عرب قبائلی نظام پر مشتمل تھا۔ ہر قبیلہ خود مختار تھا اور اپنی زمین، پانی، اور وسائل کی حفاظت کے لیے دوسرے قبائل سے برسرپیکار رہا کرتا تھا۔ عورتوں کو نہایت پست حیثیت دی جاتی تھی؛ لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا، اور انہیں وراثت میں کوئی حق نہیں دیا جاتا تھا۔ غلامی عام تھی، اور انسانی حقوق کا تصور بالکل ناپید تھا۔

**۳۔ مذہبی حالت :**

جزیرہ نمائے عرب میں مکہ کی سرزمین پر علمبردار توحید جناب ابراہیمؑ کی یادگار توحید کی علامت خانہ کعبہ موجود تھا اسی لئے اس سرزمین کو مذہبی حیثیت حاصل تھی لیکن وہاں کی مذہبی صورت حال یہ تھی زیادہ تر لوگ بت پرستی کا شکار تھے، جنہوں نے خانہ کعبہ میں سینکڑوں بت نصب کر رکھے تھے۔ ان میں سے کچھ قبیلے یہودی یا عیسائی مذہب کے پیروکار تھے، لیکن ان کے عقاید افکار اور اعمال و کردار بھی خرافات اور تحریفات کا شکار ہو چکے تھے۔

**۴۔ اخلاقی پستی کی حالت:**

جھوٹ، دھوکہ دہی، سود خوری، اور عہد شکنی عام جیسے ناپسندیدہ صفات عام تھے۔ شراب نوشی، جوا، اور بے حیائی معمولاتِ زندگی کا حصہ تھی۔ انسانی جان کی کوئی وقعت نہ تھی، اور معمولی معمولی باتوں پر سالہاسال جنگیں اور خونریزی ہوتی رہتی تھی۔

جزیرہ نمائے عرب کی اس ہمہ جہت پسماندہ اور گمراہ صورت حال کو قرآن مجید نے "ضلال مبین"[1] سے تعبیر کیا ہے

[1] سورہ جمعہ آیت ۲

اس علاقہ کے حالات کے بارے میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے

قَدِ اسْتَهْوَتْهُمُ الْاَهْوَآءُ، وَ اسْتَزَلَّتْهُمُ الْكِبْرِيَآءُ، وَ اسْتَخَفَّتْهُمُ الْجَاهِلِيَّةُ الْجُهْلَآءُ حَيَارٰى فِيْ زِلْزَالٍ مِّنَ الْاَمْرِ، وَبَلَآءٍ مِّنَ الْجَهْلِ،[1]

لوگ حیرت و پریشانی کے عالم میں گم کردہ راہ تھے اور فتنوں میں ہاتھ پیر مار رہے تھے، نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا دیا تھا اور غرور نے بہکا دیا تھا اور بھرپور جاہلیت نے ان کی عقلیں کھو دی تھیں اور حالات کے ڈانواں ڈول ہونے اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے۔

،وَ اَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلٰى شَرِّ دِيْنٍ، وَ فِيْ شَرِّ دَارٍ، مُنِيْخُوْنَ بَيْنَ حِجَارَةٍ خُشْنٍ وَّ حَيَّاتٍ صُمٍّ، تَشْرَبُوْنَ الْكَدِرَ، وَ تَاْكُلُوْنَ الْجَشِبَ، وَ تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ، وَتَقْطَعُوْنَ اَرْحَامَكُمْ. اَلْاَصْنَامُ فِيْكُمْ مَنْصُوْبَةٌ، وَ الْاٰثَامُ بِكُمْ مَعْصُوْبَةٌ[2]

اے گروہ عرب! اس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں میں تھے، کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بود و باش رکھتے تھے، تم گدلا پانی پیتے اور موٹا جھوٹا کھاتے تھے، ایک دوسرے کا خون بہاتے اور رشتہ قرابت قطع کیا کرتے تھے۔ بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔

**منفرد خاندان**

البتہ اسی جزیرہ نمائے عرب میں مکہ کی سرزمین پر ایک خاندان ایسا بھی تھا جس کے بہت سے افراد اپنے جد جناب ابراہیمؑ کی تعلیمات کے مطابق بت پرستی خرافات اور دیگر برے صفات سے دور پاکیزہ زندگی بسر کر رہے تھے

**نور ہدایت کی تجلی**

سنہ ایک عام الفیل جسے خداوند عالم کی قدرت کے سامنے باغی ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کی تباہی کی یاد میں اس نام سے موسوم کیا گیا اسی سال مکہ معظمہ کے اسی منفرد خاندان میں خانہ جناب عبد المطلب میں ان کے فرزند جناب عبد اللہ کے یہاں ایک فرزند کی ولادت ہوئی جس کے وجود بابرکت کی کرامات سے نہ صرف جزیرہ نمائے عرب بلکہ دور دراز کے دیگر علاقے بھی بے بہرہ نہ رہ سکے فارس کے آتشکدہ کی خاموشی ایوان کسریٰ کے کنگروں کا گرنا۔۔۔ جیسے نہ جانے کتنے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ کوئی غیر معمولی شخصیت نے کائنات کو اپنے وجود پرنور سے مزین کر دیا ہے جس کی گواہی یہود نصاریٰ کے اعترافات میں دیکھی جا سکتی ہے

**چالیس برس کی بامقصد خاموش زندگی**

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۹۵

[2] نہج البلاغہ خطبہ ۲۶

یتیم جناب عبد اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اپنے بچپنے سے لے کر نوجوانی؛ جوانی بلکہ ۴۰ سال کی عمر تک ایسی پاکیزہ زندگی بسر کی کہ دیکھنے والے آپ کے بلند اخلاق کا کلمہ پڑھے بغیر نہ رہ سکے آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کیا جانے لگا آپ کا ہر فیصلہ مکہ والوں کے لیے قابل قبول ہوتا اور وہ آپ کے بلند اخلاق کو دیکھ کر آپ کے راستے میں پلکیں بچھانے کے لیے تیار رہنے لگے آپ نے زندگی کے ہر شعبے میں ایک بہترین کامیاب زندگی کا مرقع دنیا کے سامنے پیش کیا اور جب ۴۰ برس کامیاب ائیڈیل نمونہ عمل زندگی بسر کر چکے تو پروردگار عالم نے آپ پر وحی نازل فرمائی

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ[1] وحی الٰہی کا نزول گویا بعثت پیغمبرؐ کا آغاز تھا جس کے بعد اپ نے اپنے قبیلے کے ۴۰ افراد کو بلا کر پیغام توحید سنایا اور یہ بتایا کہ میں اللہ وحدہ لاشریک کا نبی اور اس کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں یہیں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کی برکتوں اور اس کے مثبت اثرات کا سلسلہ شروع ہوا شروع میں اگرچہ مکہ میں آپ کی بہت مخالفت ہوئی اور طرح طرح کے آزار و اذیت یہاں تک کہ شعب ابوطالب میں ہر طرح کے بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا اور پھر اپنے سب سے بڑے حامی جناب ابوطالبؑ اور اپنی مونس و یاور زوجہ کی وفات کے بعد آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی لیکن یہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جو استقبال ہوا اس نے مکہ والوں کی مخالفت کو بھی پسپا کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی بہترین تعلیمات کے نتیجے میں پورا جزیرہ نمائے عرب اپنی انتہائی پسماندگی اور بچھڑے پن سے نکل کر ایک متمدن مہذب مترقی اور باعمل قوم کا مرکز بن گیا

**بعثت نبوی کے اثرات :**

رسول اکرم ﷺ کی بعثت نے جزیرۂ عرب کے معاشرتی، اخلاقی، اور مذہبی حالات میں ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ قرآن مجید نے پیغمبر اسلامؐ کے مقصد بعثت کو تین کاموں میں خلاصہ کیا ہے تلاوت آیات تزکیہ نفوس تعلیم کتاب و حکمت[2] جس کے نتیجہ میں ہمہ جہت اصلاحات کا عمل انجام پایا:

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اشارہ فرمایا ہے

اِنَّ اللہَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نَذِیْرًا لِّلْعٰلَمِیْنَ، وَ اَمِیْنًا عَلَی التَّنْزِیْلِ[3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ والہ کو تمام جہانوں کو (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا

**۱۔ اخلاقی انقلاب:**

---

[1] العلق ا

[2] سورہ جمعہ ۲

[3] نہج البلاغہ خطبہ ۲۶

آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کو اعلیٰ اخلاقی صفات اپنانے کی دعوت دی۔ جھوٹ، دھوکہ دہی، اور ظلم جیسی برائیوں کو ختم کیا گیا۔ عدل و انصاف کو فروغ دیا گیا اور ہر انسان کی جان، مال، اور عزت کو تحفظ فراہم کیا گیا۔ قرآن مجید نے جزیرہ نمائے عرب کی اخلاقی حالت کو تبدیل کرنے کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کوششوں کو اس طرح بیان کیا ہے

**وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ**[1]

اور وہ لوگوں سے ان کا بوجھ اور وہ زنجیروں کو اتار دیتا ہے جو ان کو جکڑے ہوئے تھیں۔

اس کے علاوہ عفو و درگزر کے ذریعہ کدورتیں ختم کرنے کا سامان فراہم کیا

اسلام نے انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے اور درگزر کرنے کو ترجیح دی۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، تم سب آزاد ہو۔[2]

آپس میں محبت قائم کرنے کے لئے اخوت اور بھائی چارگی کو رواج دیا صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا اور قطع رحمی سے سختی سے منع کیا گیا

### ۳۔ معاشرتی اصلاحات:

### الف) عورتوں کے حقوق:

اسلام نے خواتین کو وہ حقوق دیے جو انہیں کبھی حاصل نہ تھے، مثلاً وراثت، تعلیم، اور عزت وغیرہ

بچیوں کے زندہ دفن کرنے کی رسم ختم کی گئی قرآن میں فرمایا گیا:

"اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی بنا پر قتل کی گئی[3]

### عورتوں کی معاشی خود مختاری:

خواتین کو وراثت، تجارت، اور اپنی املاک پر حق دیا گیا۔ حضرت خدیجہؓ اس کی روشن مثال ہیں، جنھوں نے اپنی تجارت کے ذریعے اسلام کی خدمت کی۔

### ب) غلامی کے خاتمہ کی تدبیر

غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کو آزاد کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی اس طرح آہستہ آہستہ سماج سے غلامی ختم ہو گئی

**ج) مساوات:** تمام انسانوں کو برابر قرار دیا گیا، چاہے وہ کسی بھی قبیلے یا نسل سے ہوں۔

---

[1] سورہ اعراف

[2] سیرت ابن ہشام کی جلد ۲، صفحہ ۴۱۲

[3] سورۃ تکویر: ۸۔

**۳۔ مذہبی اصلاحات:**

دین اسلام نے اپنا سب سے بنیادی عقیدہ توحید کو قرار دیا اور بت پرستی کے خلاف سب سے بڑا محاذ کھول کر اسے ختم کیا اور تمام عبادات جیسے نماز، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ کو صرف ایک خدا کے لئے انجام دئے جانے دستور پیش کیا۔ ان لا تعبدوا الا ایاہ

**۴۔ معاشی اصلاحات:**

دین اسلام نے ہر اس چیز پر پابندی لگائی جو انسانی معاشیات کے لئے خطرہ ہو جیسے سود ناپ تول میں کمی، غصب وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا، قرآن مجید نے واضح طور پر بیان کیا احل اللہ البیع وحرم الربا[1] تجارت حلال ہے اور سود حرام ویل للمطففین[2] کم تولنے والوں کے لئے ویل (عذاب کی سخت سزا) ہے ان احکام کے ذریعہ تجارت کو اخلاقی اصولوں کا پابند بنایا گیا، اور غرباء کی مدد کے لیے زکوٰۃ اور صدقات کا نظام قائم کیا گیا۔

**۵ .سیاسی و اجتماعی اثرات:**

اسلام نے قبائلی جھگڑوں کا خاتمہ کیا اور تمام عرب کو ایک امت میں تبدیل کیا۔ اسلامی ریاست مدینہ میں ایک مثالی نظام حکومت قائم کیا گیا، قانون کی حکمرانی اور حقوقِ انسانی کا تحفظ یقینی بنایا۔ ان تمام اصلاحات یا دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ قران مجید کی اس آیہ کریمہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ[3]

(اے رسول) ان سے کہو۔ آؤ میں تمہیں سناؤں وہ چیزیں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں: (۱) یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۲) اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (۳) اور اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔ (۴) اور بے شرمی و بے حیائی کے کاموں (جیسے جنسی غلط کاری) کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ۔ (۵) اور نہ قتل کرو کسی ایسی جان کو جس کے قتل کو خدا نے حرام قرار دیا ہے مگر (شرعی) حق (جیسے قصاص وغیرہ) کے ساتھ۔ یہ وہ ہے جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔

---

[1] سورۃ البقرہ:۲۷۵

[2] سورہ المطففین ۱

[3] سورہ انعام ۱۵۱

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا
نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[1]

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رشد و کمال تک پہنچ جائے۔ (۷) اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ (۸) اور جب کوئی بات کہو تو عدل و انصاف کے ساتھ۔ اگرچہ وہ (شخص) تمہارا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ (۹) اور اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرو۔ یہ وہ ہے جس کی اس (اللہ) نے تمہیں وصیت کی ہے شاید کہ تم عبرت حاصل کرو۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[2]

اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے، اللہ نے تمہیں یہ ہدایات (اس لیے) دی ہیں تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

## نتیجہ

### بعثتِ محمدیؐ کے نتیجے میں:

ایک ظالمانہ اور غیر منصفانہ معاشرہ عدل و انصاف پر مبنی ہوا۔

اخلاقی گراوٹ کا شکار لوگ اعلیٰ کردار کے مالک بنے۔

غربت، بے انصافی، اور طبقاتی فرق کا خاتمہ ہوا۔

ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہوئی جہاں دین، دنیا، اور آخرت کے اصول یکجا تھے۔

بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے اندر اللہ سے تعلق کو مضبوط کیا۔

مذہب کو زندگی کے ہر پہلو میں شامل کیا۔

دین کو محض رسومات کے بجائے عملی اصولوں پر مبنی بنایا۔

ایک ایسی امت کی بنیاد رکھی جو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو۔

یہ مذہبی اثرات عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گئے اور آج بھی اسلامی تہذیب کا حصہ ہیں۔

---

[1] انعام ۱۵۲

[2] انعام ۱۵۳

# علمدار کربلا کی عملی سیرت میں اخلاق کی جھلکیاں

فیروز علی بنارسی

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کی حیات طیبہ اور سیرت حمیدہ میں اخلاق حسنہ اور مکارم محمودہ کے وہ نمونے اور جھلکیاں پائی جاتی ہیں کہ جن کی پیروی کر کے ہم بھی ایک کامیاب زندگی بسر سکتے ہیں اور آخرت میں نجات یافتہ ہوسکتے ہیں۔

ذیل میں حضرت عباس علیہ السلام کی عملی سیرت میں اخلاق کی جھلکیوں میں سے چند نمایاں پہلوؤں کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

**زادِ آخرت**

یہ دنیا ضرور بالضرور فنا اور نابود ہونے والی ہے اور ہم اس کی یہ حالت جاننے کے باوجود اس کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں اور ہمیں اس بات پر بھی ایمان و یقین ہے کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے، یہ وہی بات ہے جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب فرمایا تھا کہ:

**یَا عَجَبًا کُلَّ الْعَجَبِ لِلْمُصَدِّقِ بِدَارِ الْخُلُودِ وَهُوَ یَسْعَی لِدَارِ الْغُرُورِ.**[1] تعجب بالائے تعجب ہے اس شخص کے اوپر جو ہمیشہ باقی رہنے والے گھر پر ایمان رکھتا ہے اور دھوکا دینے والے گھر کے پیچھے دوڑتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام دنیا کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَلنَّفْسُ تَبْكِي عَلَى الدُّنْيَا وَقَدْ عَلِمَتْ
أَنَّ السَّلَامَةَ مِنْهَا تَرْكُ مَا فِيهَا
لَا دَارَ لِلْمَرْءِ بَعْدَ الْمَوْتِ يَسْكُنُهَا
إِلَّا الَّتِي كَانَ قَبْلَ الْمَوْتِ يَأْتِيهَا

نفس دنیا پر روتا ہے جبکہ اسے معلوم ہے کہ دنیا میں سلامتی دنیاوی چیزوں کے چھوڑنے میں ہے۔ موت کے بعد آدمی کے رہنے کے لئے کوئی گھر نہیں ہے سوائے اس گھر کے جسے اس نے مرنے سے پہلے بنایا ہے[2]۔

لہٰذا عقلمند انسان جو ان باتوں کو سمجھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ موت آنے اور عمل کے سلسلہ کے منقطع ہونے سے پہلے آخرت کے لئے زاد اور توشہ لے لے۔

پروردگار عالم نے فرمایا: **یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ.**

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ج۱۹، ص ۳۳۰

[2] دیوان امام علی علیہ السلام، ص ۱۸۱

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور نفس یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیج رکھا ہے اور اللہ سے ڈرو کہ بے شک وہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے[1]۔

نیز ارشاد فرمایا: تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوىٰ زادراہ اور توشہ فراہم کرو کہ بے شک سب سے بہتر زاد و توشہ تقویٰ ہے[2]۔

مروی ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے فرزند سے فرمایا: اے میرے فرزند! میں نے حکیمانہ باتوں میں سے سات ہزار باتوں کو سیکھا ہے، تم ان میں سے چار کو یاد کر لو اور میرے ساتھ جنت کی طرف چلو۔ اپنی کشتی کو مضبوط و مستحکم بناؤ اس لئے کہ سمندر بہت گہرا ہے۔ اپنے بوجھ کو ہلکا کر لو اس لئے کہ گرنا بہت خطرناک ہے اور زیادہ سے زیادہ زادراہ لے لو اس لئے کہ سفر بہت طولانی ہے اور اپنے عمل کو خالص بناؤ اس لئے کہ چھان بین کرنے والا بہت بینا ہے۔[3]

آخرت کے لئے زاد و توشہ فراہم کرنا حضرت عباس علیہ السلام کے مکتب سے حاصل کئے جانے والے دروس میں سے ایک بہت اہم درس ہے۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں وارد ہے کہ: اَلسَّلامُ عَلىٰ اَبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ ابْنِ اَمِيْرِ الْمُؤمِنِيْنَ، اَلْمُوَاسِي اَخَاهُ بِنَفْسِهِ، اَلْآخِذِ لِغَدِهِ مِنْ اَمْسِهِ۔

سلام ہو ابوالفضل العباس فرزند امیر المومنین پر جنھوں نے اپنے بھائی پر جان قربان کردی اور آنے والے کل کے لئے گذشتہ کل سے زاد و توشہ حاصل کیا۔

پس جناب عباس علیہ السلام نے آخرت کے لئے زاد و توشہ فراہم کیا، اسی لئے خدا نے انھیں وہ کچھ عطا کیا جو ان کے علاوہ کسی اور کو عطا نہیں کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کی زیارت میں فرماتے ہیں: وَ اَعْطَاكَ مِنْ جِنَانِهِ اَفْسَحَهَا مَنْزِلاً وَ اَفْضَلَهَا غُرُفاً وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِي عِلِّيِّيْنَ۔

اور خدا نے آپ کو اپنی جنت میں سب سے وسیع گھر اور سب سے بافضیلت حجرہ عطا فرمایا اور آپ کے ذکر کو علیین میں قرار دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد حضرت عباس علیہ السلام کے حق میں دعائیہ کلمات نہیں ہیں بلکہ آپ کے مقام و منزلت کو بیان کرتا ہے، اور چونکہ آخرت میں اجر و ثواب، دنیا میں عمل کی مقدار اور کیفیت کے مطابق ہوتا ہے لہذا حضرت عباس علیہ السلام انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے بعد تقویٰ، ورع و پرہیز گاری، زہد، عبادت، ایمان اور زاد آخرت وغیرہ کے اعتبار سے سارے شہداء سے افضل و برتر ہیں، اس لئے کہ روز قیامت آپ کا مقام سب سے بلند، اشرف اور اکمل ہو گا جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] سورہ حشر، آیت ۱۸

[2] سورہ بقرہ، آیت ۱۹۷

[3] الاختصاص، ص ۳۴۱

إِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَىٰ مَنْزِلَةً يَغْبِطُهُ عَلَيْهَا جَمِيعُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

پروردگار عالم کے نزدیک جناب عباس علیہ السلام کو ایک ایسی منزلت حاصل ہے کہ روز قیامت سارے شہداء اس پر رشک و غبطہ کریں گے۔

قارئین محترم! اس حدیث کو ملاحظہ کیجئے اور اس میں کافی غور و فکر کیجئے اور اس کے آخری فقرہ "یوم القیامۃ" کو دیکھئے کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں! قیامت کے دن آدم سے لے کر اولاد آدم کے آخری شہید تک کے جمع ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے مقام تک تاریخ دنیا کا کوئی بھی شہید نہیں پہنچا یہاں تک کہ جناب حمزہ و جعفر طیار علیہم السلام بھی۔

اسی لئے حضرت عباس علیہ السلام کا بہت بڑا حق ہے اور آپ کی حرمت و عزت بہت عظیم ہے اور اسی چیز کو امام صادق علیہ السلام نے آپ کی زیارت میں اس طرح بیان فرمایا ہے: لَعَنَ اللهُ مَنْ جَهِلَ حَقَّكَ وَ اسْتَخَفَّ بِحُرْمَتِكَ خدا کی لعنت ہو اس شخص پر جو آپ کے حق سے جاہل رہا اور آپ کی حرمت و عزت کو سبک سمجھا۔

## حیا

حیا دو طرح کی ہوتی ہے: ایک ممدوح و پسندیدہ

دوسری مذموم و ناپسند اور پھر ان میں ہر ایک کی مختلف صورتیں ہیں:

ممدوح حیا کی صورتیں:

۱۔ پروردگار عالم سے حیا

۲۔ انسانوں سے شرم و حیا

۳۔ دو فرشتوں سے شرم و حیا

۴۔ اپنے آپ سے شرم و حیا

ناپسند حیا کی صورتیں

۱۔ نیک کام کی انجام دہی میں شرم و حیا

۲۔ حق بات کہنے میں شرم و حیا

۳۔ طلب رزق میں شرم و حیا

کبھی کبھی بعض لوگ زندگی میں اس مرحلہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ رزق حلال حاصل کرنے کی سعی و کوشش نہیں کرتے۔ آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں، نہ کوئی کام کرتے ہیں، نہ روزی حاصل کرنے کی کوشش کرتے

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شرم و حیا کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی کام کریں جس کی بنا پر ان کو یا ان کے گھر والوں کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔

اب جبکہ ہم ممدوح و پسندیدہ حیا اور مذموم و ناپسند حیا کے فرق کو پہچان چکے تو اب ہم یہ کہیں گے کہ ممدوح حیا حضرت عباس علیہ السلام کی سیرت میں مجسم ہونے والے اخلاقی اسباق و دروس میں سب سے عظیم درس ہے اس لئے کہ اس حیا نے حیات طیبہ کے آخری لمحہ تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ کتب تاریخ و سیرت میں آیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی جناب عباس علیہ السلام کے نیم جان بدن کے پاس تشریف لائے اور آپ کو اٹھانے کے لئے جھکے تو اتنے میں جناب عباس علیہ السلام نے آنکھیں کھول دیں اور امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ انہیں اٹھانا چاہتے ہیں تو امامؑ سے عرض کیا کہ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: خیمہ میں۔

عرض کیا: آپ کو آپ کے جد رسول خداؐ کے جد کا واسطہ کہ مجھے نہ اٹھایئے اور یہیں چھوڑ دیجئے۔

امامؑ نے فرمایا: کیوں؟

عرض کیا: میں آپ کی بچی سکینہؑ سے شرمندہ ہوں۔ میں نے اس سے پانی کا وعدہ کیا تھا لیکن اس تک پانی نہ پہنچا سکا[1]۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسے سخت لمحات اور شدید حالات میں بڑے سے بڑے عارف و عابد بھی کے ذہن میں بھی ایسی بلند اخلاقی فکر نہیں آسکتی اور اس کی وجہ یہ چند باتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام جس سے شرم و حیا کر رہے تھے وہ ایک چھوٹی سی بچی تھی اور اس کی عمر بھی کوئی زیادہ نہیں تھی۔

۲۔ ان پر جو ذمہ داری تھی بلکہ ذمہ داری سے بڑھ کر اپنے فریضہ کو انجام دے چکے تھے اور خیمہ تک پانی نہ پہنچا پانے کے سلسلہ میں ان کا عذر قابل قبول تھا۔

۳۔ جناب عباس علیہ السلام اس حالت میں تھے کہ آپ سے پہلے کوئی اور اس حالت میں نہیں تھا۔ چچا جعفر طیارؑ کی طرح ان کے دونوں بازو کٹ چکے تھے، آنکھ میں تیر پیوست تھا اور سر پر گرز لگا ہوا تھا۔ بدن پر تیر اور نیزے لگے ہوئے تھے۔

۴۔ جناب سکینہؑ سید اخلاق اور معلم اخلاق کی بیٹی تھیں۔ وہ جناب عباس علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھ کر پانی کا سوال نہ کرتیں اور نہ ہی پانی نہ لانے پر آپ سے کوئی شکایت کرتیں۔

ہماری نظر میں یہ ساری باتیں سبب بنتی ہیں کہ انسان ایسے عجیب و غریب اور سخت حالات میں ایک چھوٹی سی بچی سے شرم و حیا کی طرف کوئی توجہ نہ دے مگر جناب عباس علیہ السلام نے یہ گوارا نہ کیا اور آپ زندگی کی پہلی سانس سے آخری سانس تک باحیا رہے۔

---

[1] موسوعۃ کلمات الحسین علیہ السلام ص ۵۶۹

بیشک شرم و حیا ایک بہت اہم عملی درس ہے جسے ہم جناب عباس علیہ السلام کی حیات طیبہ سے حاصل کرتے ہیں کہ آپ کی عظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں جتنا بھی غور و فکر کریں کم ہے اور بہت سے گوشہ ہماری نظروں سے اوجھل رہیں گے۔ جناب عباس علیہ السلام کی سیرت و کردار کا مشاہدہ کرکے ہمیں اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ انبیائے کرام اور اوصیائے معصومین علیہم السلام کے بعد روئے زمین پر جن حضرات کے حالات اور آثار سے واقف ہوئے ہیں ان میں حضرت عباس علیہ السلام سب سے برتر اور با فضیلت ذات کا نام ہے۔

## غیرت و حمیت

غیرت و حمیت کے متعدد مصادیق ہیں ان میں مفہوم کے اعتبار سے سب سے نمایاں اور بارز مصداق انسان کا اپنی ناموس کے سلسلہ میں غیر مند ہونا ہے اور وہ یہ کہ مرد انہیں اجازت نہ دے کہ وہ دوسرے مردوں سے رابطہ رکھیں اور اپنی زینت اور سجاؤ سنگھار کو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کریں۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:أَ مَا تَسْتَحْيُونَ وَ لَا تَغَارُونَ نِسَاءَكُمْ يَخْرُجْنَ إِلَى الْأَسْوَاقِ وَ يُزَاحِمْنَ الْعُلُوجَ. کیا تم شرم و حیا نہیں کرتے اور کیا تم اپنی عورتوں کے بارے میں غیرت کا مظاہرہ نہیں کرتے کہ وہ بازاروں میں نکلتی ہیں اور مردوں کے لئے زحمت ایجاد کرتی ہیں[1]۔

اور ادھر جناب عباس علیہ السلام اپنے گھر والوں کے سلسلہ میں شدید غیرت و حمیت اور ان کی نصرت و حمایت میں، اپنے آپ کو فنا کرنے میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ کی زیارت میں وارد ہوا ہے کہ فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْمُحَامِي۔ (آپ بہترین صبر کرنے والے، راہ خدا میں جہاد کرنے والے اور حمیت و غیرت سے کام لینے والے ہیں) یہاں تک کہ آپ کا ایک لقب ہی حَامِي الظَّعِينَة پڑ گیا۔ "ظعینہ" ہودج اور عماری میں بیٹھی عورت کو کہتے ہیں۔ علامہ شیخ محمد حسین اصفہانی اپنے بہترین مرثیہ میں فرماتے ہیں:

وَ أَيْنَ مِنْ وَدَائِعِ النُّبُوَّة ۔۔۔ مُمَثِّلُ الْغَيْرَةِ وَ الْفُتُوَّةِ

اور نبوت کی امانتوں میں سے غیرت اور جوان مردی کا مظاہرہ کرنے والا کہاں ہے؟

وَ أَيْنَ مِنْهَا رَبُّ أَرْبَابِ الْأَبَا ۔۔۔ إِذْ هَجَمَ الْخَيْلُ عَلَيْهِنَّ الْخِبَا

ذلت قبول نہ کرنے والوں کا سید و سردار کہاں ہے جب لشکر نے ان خواتین پر حملہ کیا۔

اسی لئے جناب زینب علیہا السلام کی کفالت کی ذمہ داری حضرت عباس علیہ السلام کے ذمہ تھی کیونکہ آپ کے اندر غیرت و حمیت پائی جاتی تھی۔

---

[1] الکافی، ج ۵ ص ۵۳۷

پس ہر مومن پر لازم ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام سے یہ سبق سیکھے بالخصوص موجودہ دور و زمانہ میں کہ جس نے ہمارے سامنے ایسے ایسے بے غیرت مردوں کو پیش کر دیا ہے جن کو دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ کچھ مرد تو ایسے بھی ہیں جو صرف اور صرف اپنی بیوی کی بے پردگی اور بناؤ سنگھار پر راضی اور خوش ہوتے ہیں اور بعض تو اپنی مردانگی کو کھو بیٹھتے ہیں، چال ڈھال میں، پہناوے میں، بات کرنے میں اور دیگر کاموں کو انجام دینے میں عورتوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔

**سبحان اللہ! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم**

## اخوت و برادری

اسلامی مفہوم و معنی کے اعتبار سے اخوت و برادری صرف نسبی یا سببی اخوت و برادری میں محدود و منحصر ہے بلکہ اسلام میں اخوت و برادری سارے صاحبان ایمان کو شامل ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ**[1]۔ بے شک صاحبان ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کراؤ اور اللہ سے ڈرو کہ شاید تم پر رحم کیا جائے۔

اسلامی معاشرہ میں انسانوں کے درمیان اخوت و برادری کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے اس بات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اس حد تک کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ:

**مَا اسْتَفَادَ مُسْلِمٌ فَائِدَةً بَعْدَ الْإِسْلَامِ مِثْلَ أَخٍ يَسْتَفِيدُ فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ**[2]۔

اسلام کے فائدہ کے بعد مسلمان مرد نے اس بھائی سے اچھا کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جس سے وہ راہ خدا میں فائدہ اٹھا سکے۔

اور اسی صفت حسنہ اور خصلت حمیدہ پر جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام تھے۔ معصوم کی زبانی آپ کی زیارت میں آیا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ، اس کے رسولؐ اور اپنے بھائی کے لئے خیر خواہی کی۔ پس کتنا بہترین بھائی اور مددگار ہے۔

اور زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے:

**السَّلَامُ عَلَى الْعَبَّاسِ بْنِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، الْمُوَاسِي أَخَاهُ بِنَفْسِهِ، الْآخِذِ لِغَدِهِ مِنْ أَمْسِهِ، الْفَادِي لَهُ الْوَاقِي، السَّاعِي إِلَيْهِ بِمَائِهِ، الْمَقْطُوعَةِ يَدَاهُ**۔

ابوالفضل العباس علیہ السلام فرزند امیر المومنین علیہ السلام پر سلام ہو جنہوں نے اپنے نفس سے اپنے بھائی کی مدد کی، اپنے آنے والے کل کے لئے اپنے گذرے ہوئے کل سے زادِ راہ حاصل کی۔ اپنے آپ کو اپنے بھائی پر فدا کر دیا اور ان کی حفاظت کی. ان کے لئے پانی لینے گئے اور ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔

---

[1] سورۂ حجرات / آیت ۱۰

[2] میزان الحکمۃ ج ۱ ص ۴۰

شیخ جعفر ابن نما حلیؒ فرماتے ہیں:

حَقِیْقٌ بِالْبُکَاءِ عَلَیهِ حُزْناً — اَبُو الْفَضْلِ الَّذِیْ وَاسَیٰ اَخَاہُ

وہ حزن وملال کے ساتھ ان پر گریہ وزاری کے حقدار ہیں۔ وہ ابوالفضل جنہوں نے اپنے بھائی کی نصرت ومدد کی۔

وَجَاهَدَ کُلَّ کَفَّارٍ ظَلُومٍ — وَقَابَلَ مِنْ ضَلَالِهِمْ هُدَاہُ

اور ہر ظالم کافر سے جہاد کیا اور ان کی گمراہی کا مقابلہ اپنی ہدایت سے کیا۔

فَدَاہُ بِنَفْسِهٖ لِلّٰهِ حَتّٰی — تَفَرَّقَ مِنْ شُجَاعَتِهٖ عِدَاہُ

انہوں نے خدا کے لئے اپنے بھائی پر جان قربان کر دی یہاں تک کہ شجاعت وبہادری سے دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔

بلکہ جناب عباس علیہ السلام نے اپنی بہن جناب زینبؑ پر بھی اپنی جان قربان کی اور مواسات کیا۔ شیخ محمد کلباسی نجفی فرماتے ہیں:

۔۔۔ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام صرف اپنے بھائی کے لئے ایک بہترین جانثار اور مواسات کرنے والے بھائی نہ تھے بلکہ اپنی بہن کے لئے بھی ایسے ہی تھے۔ آپ نے اپنے بھائی کے ساتھ ان کی پیاس میں مواسات کی اور پانی تک پہنچنے اور اس پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی پانی نہ پیا نیز اس وقت آپ نے اپنی محترم ومکرم بہن عقیلۂ بنی ہاشم جناب زینبؑ کی پیاس میں ان سے مواسات کی، اس کے علاوہ ان دونوں حضرات سے کئے وعدہ کو وفا کر دیا اور ان حضرات کے سلسلہ میں اپنے والد گرامی کی وصیت پر عمل کیا۔ صلوات اللہ وسلامہ اجمعین[1]۔

ہاں! جناب عباس علیہ السلام کی اخوت وبرادری پاک اور سچی اخوت وبرادری کے ان تمام معانی کی حامل ہے جن کا اسلام نے ہم سے مطالبہ کیا ہے یہاں تک کہ آپ کی اخوت وبرادری لوگوں کے درمیان ایک رائج مثل بن گئی ہے جس کا تذکرہ لوگ اپنی نشستوں اور گفتگو میں کرتے ہیں۔

اسلام نے اخوت وبرادری کے جتنے بھی ادب ذکر کئے ہیں ہم ان سب کو جناب عباس علیہ السلام کی اخوت وبرادری میں مجسم طور پر مشاہدہ کرتے ہیں جیسے صدق و وفا، نصیحت و خیر خواہی، ہمدردی و مواسات وغیرہ وغیرہ۔ برے دوست اور ساتھی کی اخوت و برادری میں جتنی بھی بری صفتیں ہو سکتی ہیں ہم ان کو جناب عباس علیہ السلام سے آسمان اور زمین کی دوری بلکہ اس سے بھی دور دیکھتے ہیں۔ آپ کی اخوت وبرادری دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے نہیں تھی بلکہ خالص خوشنودی اور رضائے پروردگار کے لئے تھی۔

آخَیْتَ فِی اللّٰهِ الْحُسَیْنَ فَنِعْمَ مَنْ — آخَیْتَ یَا مَنْ کَانَ نِعْمَ مُوَاسِی
مَثَلَ الْاُخُوَّۃِ صِرْتَ یَا رَمْزَ الْاَخَا — بِالْحَقِّ صَارَ حَدِیْثَ کُلِّ النَّاسِ

---

[1] الخصائص العباسیہ، ص ۲۲۴

صِدْقٌ وَفَاءٌ عِزَّةٌ وَشَهَامَةٌ حُبٌّ ثَبَاتٌ مِثْلَ طَوْدٍ رَاسِي

آپ نے خدا کی راہ میں امام حسین علیہ السلام سے برادری کی۔ پس اے بہترین اخوت کا مظاہرہ کرنے والے کہ آپ بہترین ہمدرد تھے۔

اے برادری کے رمز و راز! آپ اخوت و برادری کی مثل بن گئے اور بر حق انسان کی گفتگو کا محور بن گئے۔

صدق و وفا، عزت و شجاعت، محبت اور ثبات قدم پہاڑ کی چوٹی کے مانند مثل بن گئے۔

**ایثار فداکاری**

سماحت، جود اور سخا یہ سب ''کرم'' کے معنی میں ہیں اور یہ ایک بہت عظیم نفسانی فضیلت اور قابل حمد و تعریف اخلاق ہے اور یہ دنیا سے کنارہ کشی کا نتیجہ اور پھل ہے۔ پس جو شخص زاہد ہے اس کا کریم ہونا ضروری ہے۔ اس طرح کرم دو ناپسندیدہ صفات کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان کی ایک صفت ہے اور خداوند عالم نے ان دونوں (کنجوسی اور فضول خرچی) سے منع کیا ہے۔

**وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔**[1]

اور خبردار جو لوگ خدا کے دئے ہوئے میں بخل کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ نہ سوچنا کہ اس بخل میں کچھ بھلائی ہے ان کے لئے بہت برا ہے اور عنقریب جس مال میں بخل کیا ہے وہ روز قیامت ان کی گردن میں طوق بنا دیا جائے گا۔

نیز ارشاد فرمایا ہے: **الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا۔**[2]

جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل و کرم سے عطا کیا ہے اس پر پردہ ڈالتے ہیں ہم نے کافروں کے واسطوں رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

جناب عباس علیہ السلام بھی اہل بیت علیہم السلام جیسے سخی و جواد گھر کے پروردہ تھے اور وہ بھی انہیں حضرات جیسے تھے۔ انہوں نے نہایت خوبصورتی اور حسین انداز میں آئندہ نسلوں کو ایثار و فداکاری کا درس دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ:

جناب عباس علیہ السلام نے فرات کا رخ کیا، فرات پر پہرے دار تعینات تھے۔ لشکر یزید کے چار ہزار سپاہیوں نے آپ کو گھیر لیا اور تیر مارنا شروع کر دیا لیکن آپ نے حملہ کر کے ان سب کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور فوج یزید کے ۸۰ سے زیادہ

[1] سورۂ آل عمران / آیت ۱۸۰

[2] سورۂ نساء، آیت ۳۷

سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور نہر میں گھوڑا داخل کر دیا۔ چلو میں پانی لیا اتنے میں امام حسین علیہ السلام اور اہل حرم کی پیاس یاد آگئی، فوراً پانی کو پھینک دیا اور مشک بھری۔[1]

آپ نے امام حسین علیہ السلام اور اہل حرم کو اپنے اوپر مقدم کرتے ہوئے پانی نہیں پیا، اسی لئے امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللهُ الْعَبَّاسَ فَلَقَدْ آثَرَ وَ اَبْلیٰ وَ فَدیٰ اَخَاهُ نَفْسَهٗ۔[2]

خدا حضرت عباس علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے کہ انہوں نے ایثار و فداکاری کی اور پوری سعی و کوشش کی اور اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کر دی۔

علامہ شیخ محمد حسین اصفہانیؒ اسی کارنامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے خوبصورت اشعار میں فرماتے ہیں:

آثَرَ بِالْمَاءِ اَخَاهُ الظَّامِی      حَتّیٰ غَدَا مُعْتَرَضَ السِّهَامِ

جناب عباس علیہ السلام نے اپنے پیاسے بھائی کو پانی کے سلسلہ میں اپنے اوپر مقدم کیا یہاں تک کہ تیروں کا نشانہ بن گئے۔

وَ لَا يُهِمُّهُ السِّهَامُ حَاشَا      مِنْ هَمِّهٖ سِقَايَةُ الْعَطَاشَا

انہیں تیروں کی ہرگز کوئی پرواہ نہیں تھی بلکہ ان کی ساری فکر پیاسوں تک پانی پہنچا کر انہیں سیراب کرنا تھا۔

فَجَادَ بِالْيَمِيْنِ وَ الشِّمَالِ      لِنُصْرَةِ الدِّيْنِ وَ حِفْظِ الْآلِ

انہوں نے اپنے دونوں بازو دین کی نصرت اور اہل بیت علیہم السلام کی حفاظت میں قربان کر دیئے۔

علامہ شیخ عبد الحسین صادق عاملیؒ فرماتے ہیں:

مِنْ حَيْدَرَ هُوَ بِضْعَةٌ وَ صَحِيفَةٌ      مِنْ عَزْمِهٖ مَشْحُوْذَةٌ بِمُضَائِهٖ

وَاسَى اَخَاهُ بِمَوْقِفِ الْعِزِّ الَّذِیْ      وَقَفَتْ سَوَارِى الشُّهْبِ دُوْنَ عُلَائِهٖ

مَلَكَ الْفُرَاتَ عَلٰى ظَمَاهُ وَ اُسْوَةٌ      بِاَخِيْهِ مَاتَ وَ لَمْ يَذُقْ مِنْ مَائِهٖ

نیز جناب عباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کو اپنی مادر گرامی جناب ام البنینؑ کے بطن مبارک سے دوسرے بھائیوں پر بھی مقدم رکھا اور یہ کہتے ہوئے انہیں شہادت کے لئے آگے بڑھا دیا:

تَقَدَّمُوْا بِنَفْسِیْ اَنْتُمْ ! فَحَامُوْا عَنْ سَيِّدِكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا دُوْنَهٗ۔

[1] بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۱

[2] الخصال ج ۱ ص ۶۸، ح ۱۰۱

میرے بھائیو! آگے بڑھو، میں تم پر قربان ہو جاؤں۔ اپنے سید و سردار اور آقا و مولا کی نصرت و حمایت کرو یہاں تک کہ ان کے سامنے جام شہادت نوش کر لو[1]۔

پس ایثار و فداکاری اس عظیم المرتبت اور معنوی کمال کی منزلوں بلکہ عطاو بخشش کے مرتبہ پر فائز شخصیت کا ایک بہت عظیم اخلاقی درس ہے۔

آثَرْتَ بِالنَّفْسِ الْعَزِيزَةِ فَانْحَنَتْ    لَكَ يَا أَبَا الْفَضْلِ كُلُّ ذَوِي الْفَضْلِ

اے ابوالفضل! آپ نے اپنی عزیز جان کی بازی لگادی اسی لئے ہر صاحب فضل و کرم آپ کے سامنے سر خم کئے ہوئے ہے۔

**شجاعت**

انسان کے اندر موجود قوت غضبیہ کے انسان کے اوپر مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ اگر قوت غضبیہ ختم ہو جائے گی یا ختم ہونے جیسی ہو جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا اور اسی بزدلی کہتے ہیں اور یہ معیوب اور ناپسندیدہ صفات میں سے ہے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

شِدَّةُ الْجُبْنِ مِنْ عَجْزِ النَّفْسِ وَ ضَعْفِ الْيَقِيْنِ[2]۔ شدید بزدل نفس کی ناتوانی اور یقین کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔

نیز فرمایا ہے: اِحْذَرُوا الْجُبْنَ فَإِنَّهُ عَارٌ وَ مَنْقَصَةٌ[3]۔ بزدلی سے دور رہو کہ یہ ننگ و عار اور نقص و عیب ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

لا يَكُونُ الْمُؤمِنُ جَبَاناً وَلا حَرِيصاً وَ لا شَحِيحاً[4]۔ مومن نہ بزدل ہوتا ہے نہ ہی لالچی ہوتا ہے اور نہ ہی کنجوس ہوتا ہے۔

شجاعت کا ایک بہت وسیع مفہوم ہے، صرف میدان جنگ میں تلوار لے کر نکل پڑنا ہی شجاعت نہیں ہے۔ ہاں! یہ شجاعت کا بارز مصداق ہے لیکن علم و یقین کے ساتھ جہل و نادانی کے مقابلے میں ڈٹے رہنے، صبر و استقامت کے ساتھ بے صبری و بے ثباتی کا مقابلہ کرنے اور جود و کرم کے ذریعہ بخل و کنجوسی کا مقابلہ کرنے کو بھی روایات میں شجاعت کہا گیا ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَشْجَعُ النَّاسِ مَنْ غَلَبَ الْجَهْلَ بِالْعِلْمِ وَ قَابَلَ الْغَضَبَ بِالْحِلْمِ[5]

سب سے بڑا شجاع وہ ہے جو علم کے ذریعہ جہل و نادانی پر غالب آجائے اور غضب کا مقابلہ حلم کے بردباری کے ذریعہ کرے۔

---

[1] موسوعۃ الامام علی ابن ابی طالب علیہ السلام فی الکتاب والسنۃ والتاریخ، ج۱، ص ۱۳۵

[2] غرر الحکم، ج۳، ص۲۶، ح ۵۶۶۲

[3] غرر الحکم، ص ۲۶۳، ح۵۶۶۰

[4] بحار الانوار، ج ۶۴، ص ۳۶۴

[5] ۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۱۱۵، ح ۲۵۳۹

نیز ارشاد فرمایا ہے: اَشْجَعُ النَّاسِ اَسْخَاهُمْ۔ سب سے بڑا شجاع وہ ہے جو سب سے بڑا سخی ہو۔[1]

شجاعت، حضرت عباس علیہ السلام کے ان دروس حیات میں سے ایک درس ہے جسے آپ نے واقعہ کربلا میں رقم فرمایا اور آپ نے جس ثبات قدم اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کسی اور نے نہیں کیا۔ آپ اس باپ کے فرزند ہیں جس کی بدولت اسلام قائم و استوار ہوا۔ آپ دشمن پر بڑھ بڑھ کے حملے کرنے میں ویسے ہی تھے جیسے آپ کے پدر بزرگوار، رسول خداؐ کی جنگوں میں تھے۔

لَهُ الْيَدُ الْبَيْضَاءُ فِي الْكِفَاحِ وَ كَيْفَ وَهُوَ مَالِكُ الْاَرْوَاحِ

اور عباس علیہ السلام کو جنگ میں ید بیضا حاصل تھا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ روحوں کے مالک تھے۔

بِمِثْلِ الْكَرَّارِ فِي كَرَامَةِ بَلْ فِي الْمَعَانِي الْعِزِّ مِنْ صِفَاتِهِ

وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے میں حیدر کرارؑ کے مثل تھے بلکہ در حقیقت وہ ان کے صفات میں بہت نمایاں تھے۔

صَوْلَتُهُ عِنْدَ النِّزَالِ صَوْلَتُهُ لَوْلَا الْغُلُوُّ قُلْتُ جَلَّتْ قُدْرَتُهُ

جنگ میں ان کا حملہ حیدر کرار کا حملہ تھا اور اگر غلو نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ "جلت قدرتہ" (ان کی قدرت عظیم و جلیل) ہے۔

هُوَ الْمُحِيْطُ فِي تَجَوُّلَاتِهِ وَ نُقْطَةُ الْمَرْكَزِ فِي ثَبَاتِهِ

وہ حملوں میں ہر چیز کو گھیرے ہوئے تھے اور ثبات و استقامت میں مرکزی نقطہ تھے۔

سَطْوَتُهُ لَوْلَا الْقَضَاءُ الْجَارِي تَقْضِيْ عَلَى الْعَالَمِ بِالْبَوَارِ

اگر حتمی موت (شہادت) نہ ہوتی تو ان کا حملہ دنیا کو نیست و نابود کر دیتا۔[2]

شیخ علی یعقوبی فرماتے ہیں:

فَتًى ذَكَرَ الْقَوْمُ مُذْرَاعَهُمْ اَبَاهُ الْفَتَى الْبَطَلُ الْاَرْوَعَا

ایک ایسا جوان مرد جس نے حملہ کے وقت دشمن کو اپنے جوان مرد، بہادر اور حسین و جمیل والد (علی علیہ السلام) کی یاد دلادی۔

اِذَا رَكَعَ السَّيْفُ فِي كَفِّهِ هَوَتْ هَامُهُمْ سُجَّدًا رُكَّعَا

جب دست عباس میں تلوار رکوع کر دی (یعنی جھکتی) تو دشمن کے سر سجدہ اور رکوع کی حالت میں گر پڑتے تھے۔[3]

یہ کون سی شجاعت تھی جس سے یہ شریف النفس انسان آراستہ تھا کہ نہر فرات پر تعینات تلواروں اور نیزوں سے لیس چار ہزار کے لشکر پر ٹوٹ پڑا اور ان کو گھاٹ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور پہلے ہی حملہ میں دشمن کے ۸۰ر سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور

[1] عیون الحکم والمواعظ، ص ۱۱۷

[2] انوار القدسیہ، ص ۱۴۵

[3] العباس رجل العقیدۃ والجہاد، ص ۲۰۴

فرات میں داخل ہو گیا اور مشک بھر لی۔ یہی کافی ہے کہ فوج دشمن اتنی کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود آپ کو قتل نہ کر سکی مگر یہ کہ دھوکے سے اور چھپ کر آپ پر حملہ کیا۔

یہ ساری چیزیں ہمارے لئے اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کی جنگ پروردگار عالم کی جانب سے عطا کی ہوئی قوت و طاقت کے ذریعہ تھی۔ پس ہر نسل پر لازم ہے کہ پوری دنیا کو بلند و بالا اخلاق اقدار کا درس دینے والے معلم سے سبق حاصل کرے۔

## تسلیم و رضا

مرد مومن کا اپنے امور میں خدا پر اعتماد اور بھروسہ درجات میں فرق کے ساتھ تین طرح کا ہوتا ہے: ۱۔ توکل۔ ۲۔ رضا۔ ۳۔ تسلیم کبھی کبھی ان تینوں قسموں کو توکل کہا جاتا ہے لیکن ہر ایک کا معنی اور مفہوم الگ الگ ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: اَلتَّوَكُّلُ عَلَى اللهِ دَرَجَاتٌ خدا پر توکل کے مختلف درجات ہیں۔

بیشک جناب عباس علیہ السلام بھی ایسے ہی زیور تسلیم سے آراستہ تھے اس لئے کہ آپ نے اخلاقی منزلوں کو طے کیا یہاں تک کہ آخری اور سب سے بلند منزل تک پہنچ گئے بلکہ آپ مقام تسلیم و رضا میں دوسرے سے ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں اس لئے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام پہلے آپ کی تسلیم کی گواہی دیتے ہیں پھر اسے آپ سے مخصوص فرماتے ہیں۔

اَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيمِ۔ میں آپ کے لئے تسلیم کی گواہی دیتا ہوں۔

آپ پر بہت بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں کہ اگر پہاڑوں پر نازل ہوتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر آپ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر مصیبت میں آپ کے ثبات قدم میں اضافہ ہوتا گیا جب آپ کا داہنا بازو قلم ہو گیا تو آپ نے نہ کوئی بیتابی کی اور نہ ہی درد کا احساس؛ بلکہ آپ کا جواب یہ تھا کہ:

وَاللهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي اِنِّيْ اُحَامِي اَبَداً عَنْ دِيْنِي

تم لوگوں نے میرا داہنا بازو قلم کر دیا ہے مگر خدا کی قسم میں ہمیشہ اپنے دین کا دفاع کرتا رہوں گا۔

جب آپ کا بایاں بازو بھی قلم ہو گیا تو اپنے آپ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

يَا نَفْسُ لَا تَخْشِي مِنَ الْكُفَّارِ وَاَبْشِرِيْ بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ

اے نفس! ان کافروں سے نہ ڈر اور تجھے جبار پروردگار کی رحمت کی بشارت

اس بات پر غور کیجئے کہ جناب عباس علیہ السلام کے بازو قلم ہوئے تو آپ اسے رحمت خدا کی بشارت و خوش خبری سمجھ رہے تھے اور عمیق اور گہری فکر کی بنیاد خداوند عالم کے حضور سراپا تسلیم و رضا ہے۔

---

[1] ۔ بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۱۲۹

یہ کتنا عظیم درس ہے جسے جناب عباس علیہ السلام نے دیااور اس کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے پروردگار کے لئے اور آسمان اور زمین والوں کے لئے ثابت کر دکھایا جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: آپ واقعاً عبد صالح تھے وہ اپنے لئے عبودیت وبندگی پروردگار اور اس کی بارگاہ میں تسلیم و خضوع کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں جانتے تھے کہ جس پر چلیں۔

ہاں! یہ بات سچ ہے کہ کتنے ایسے رموز و اسرار ہیں جو فرزند حیدر کرار علیہ السلام کا احاطہ کئے ہوئے ہیں کہ انسانوں کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ان اسرار سے پردہ ہٹائیں چاہے وہ جس قدر بھی غور و فکر کرلے مگر یہ کہ وہ امام معصوم ہو۔ وہی ان اسرار و رموز سے پردہ اٹھاسکتا ہے۔

**وفا**

وفا اخلاق حمیدہ میں سے ایک ہے۔جو صدق نیت اور اخلاص کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

نِعْمَ قَرِيْنُ الصِّدْقِ اَلْوَفَاءِ۔[1] صدق وسچائی کا بہترین ساتھی وفا ہے۔

وفا کی ضد خیانت ہے، جیسا کہ امام علی علیہ السلام سے منقول ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

اَلْخَائِنُ لاوَفَاءَلَہٗ۔[2] خیانت کرنے والے کے پاس وفا نہیں ہوتی۔

بعض علمائے اخلاق نے وفا کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ وعدہ کو وفا کرنا۔

۲۔ جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے اس کا نیکی سے جواب دے کر وفاداری کا ثبوت دینا۔

۳۔ خدا، انسانوں اور حیوانوں کے حقوق کو ادا کر کے وفا کرنا۔

وفا حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی شخصیت میں سب سے بارز صفت ہے۔ اس درجہ کہ آپ خیمہ میں واپس جانے سے شرم محوس کر رہے تھے اس لئے کہ آپ بچوں سے پانی لانے کے وعدہ کو وفا نہیں کر پائے تھے جبکہ آپ کا عذر اس سلسلہ میں قابل قبول بلکہ قابل شکریہ تھا جیسا کہ آپ نے خدا، اس کے رسولؐ اور نبی اکرمؐ کے نواسے کے لئے اپنی خیر خواہی کو پیش کیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کی زیارت میں اسی مبارک خصلت کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ بِالتَّسْلِيْمِ وَ التَّصْدِيْقِ وَ الْوَفَاءِ۔ میں آپ کے لئے سراپا تسلیم، تصدیق وفاداری کی گواہی دیتا ہوں۔

جناب عباس علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام سے کئے وعدہ کو وفا کر دیا کہ جب آنحضرت نے آپ سے بچپنے میں یہ وعدہ لیا تھا کہ زندگی کے آخری لمحات تک اپنی بہن زینب کا خیال رکھیں۔

---

[1] غرر الحکم، ص ۲۵۲، ح ۵۲۶۷

[2] غرر الحکم، ص ۴۶۰، ص ۱۰۵۱۸

اور آپ نے اپنی والدہ گرامی ام البنین سے کئے وعدہ کو بھی وفا کر دیا انہوں نے جناب عباس علیہ السلام کی تربیت اس طرح کی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کو مقدم کریں اور ان کا احترام و اکرام کریں اور ان کے ساتھ اخلاص سے پیش آئیں جس طرح ماں نے تربیت کی تھی جناب عباس علیہ السلام زندگی بھر اس کے پابند رہے۔ دین اور امام مظلوم امام حسین علیہ السلام کی نصرت و مدد کے سلسلہ میں آپ نے خدا، رسولؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے لئے وعدوں کو وفا کر دیا۔

بے شک ابوالفضل العباس علیہ السلام نے خدا کے لئے وفاداری کا ثبوت دیا تو خدا نے بھی آپ کو مکمل اور وافر مقدار میں جزا عطا فرمائی۔ مفاتیح الجنان میں آپ کی زیارت میں وارد ہوا ہے کہ:

فَجَزَاكَ اللهُ اَفْضَلَ وَ اَكْثَرَ الْجَزَاءِ وَ اَوْفَرَ الْجَزَاءِ وَ اَوْفَى جَزَاءِ اَحَدٍ مِمَّنْ وَفَى وَ اسْتَجَابَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَ اَطَاعَ وُلَاةَ اَمْرِهِ خدا کی جزا کے علاوہ جو نبی اکرمؐ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام نے بھی آپ کو جزا عطا فرمائی۔

فَجَزَاكَ اللهُ عَنْ رَسُولِهِ وَ عَنْ اَمِيرِ الْمُومِنِينَ وَ عَنِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَفْضَلَ الْجَزَاءِ

یہ کثیر اور وافر مقدار میں جزا، حسب و نسب وغیرہ کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ اس لئے کہ تھی (بِمَا صَبَرْتَ وَ احْتَسَبْتَ وَ اَعَنْتَ) آپ نے صبر و استقامت سے کام لیا، خدا کی مرضی کے لئے یہ کام کیا اور مدد و نصرت کی جیسا کہ یہ فقرہ آپ کی زیارت میں وارد ہوا ہے۔

### نصیحت و خیر خواہی

نصیحت و خیر خواہی وہ سبق ہے جسے ہم جناب عباس علیہ السلام سے حاصل کرتے ہیں آپ کی زیارت میں وارد ہوا ہے:

اَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيمِ وَ التَّصْدِيقِ وَ الْوَفَاءِ وَ النَّصِيحَةِ لِخَلَفِ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ وَ السِّبْطِ الْمُنْتَجَبِ۔

میں آپ کے لئے سراپا تسلیم، تصدیق و یقین، وفاداری اور فرزند رسول اور نواسہ نبیؐ کے لئے خیر خواہی کی گواہی دیتا ہوں۔

زیارت نامہ میں جناب عباس علیہ السلام کو کئی مقام پر ناصح کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ خیر خواہی میں نہایت شدید اور اس خلق کریم سے آراستہ تھے۔

آپ کی خدمت میں ان مقامات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن میں آپ کو ناصح کہا گیا ہے:

وَ اُشْهِدُ اللهَ اَنَّكَ مَضَيْتَ عَلَى مَا مَضَى عَلَيْهِ الْبَدْرِيُّونَ الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَ النَّاصِحُونَ فِي جِهَادِ اَعْدَائِهِ میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ اس راستہ پر چلے جس پر اہل بدر راہ خدا میں جہاد کرنے والے اور دشمنان خدا سے جہاد کرنے والے اور دین خدا کے لئے خیر خواہی والے چلے۔

اسی زیارت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صرف ناصح نہیں تھے بلکہ "مُبالغ" یعنی بہت زیادہ بھلائی چاہنے والے بھی تھے۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَالَغْتَ فِي النَّصِيحَةِ وَ اَعْطَيْتَ غَايَةَ الْمَجْهُودِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ نے بہت زیادہ نصیحت و خیر خواہی کی اور پوری کوشش کی۔

جناب عباس علیہ السلام کی شان میں امام معصوم کی زبانی ان فقروں کے بعد حضرت عباس علیہ السلام کی عظمت و منزلت کے بارے میں توقف اور مزید غور و فکر کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔

جیسا کہ آپ کے پائنتی کھڑے ہو کر زیارت پڑھی جاتی ہے تو اس زیارت میں یہ فقرہ ہے کہ :

اَشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِاَخِيكَ فَنِعْمَ الْاَخُ الْمُوَاسِي میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے خدا، رسول اللہؐ اور اپنے بھائی کے لئے نصیحت و خیر خواہی کی۔ پس کتنا بہترین بھائی اور ہمدرد ہے۔

مروی ہے کہ جب حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت واقع ہو گئی تو امام حسین علیہ السلام نے اس طرح مرثیہ پڑھا:

اَخِي يَا نُورَ عَيْنِي يَا شَقِيقِي فَلِي قَدْ كُنْتَ كَالرُّكْنِ الْوَثِيقِ

اے میرے بھائی، اے میری آنکھوں کے نور اور اے میرے برادر تم میرے لئے ایک مضبوط سہارے کے مانند تھے۔

اَيَا ابْنَ اَبِي نَصَحْتَ اَخَاكَ حَتّٰى سَقَاكَ اللّٰهُ كَاساً مِنْ رَحِيقٍ

اے میرے بھائی! تم نے اپنے بھائی کی خیر خواہی کی یہاں تک کہ خدا نے تمہیں سربستہ جام سے سیراب کیا۔

اَيَا قَمَراً مُنِيراً كُنْتَ عَوْنِي عَلٰى كُلِّ النَّوَائِبِ فِي الْمَضِيقِ

اے روشن چاند، تم میرے مددگار تھے تنگی میں ہر سختی کے اوپر

فَبَعْدَكَ لَا تَطِيبُ لَنَا حَيَاةٌ سَنَجْمَعُ فِي الْغَدَاةِ عَلَى الْحَقِيقِ

زندگی تمہارے بعد ہمارے لئے خوش گوار نہیں رہی اور عنقریب کل قیامت کے دن ہم سب کو جمع کیا جائے گا۔

اَلَا لِلّٰهِ شَكْوَائِي وَصَبْرِي وَمَا اَلْقَاهُ مِنْ ظَمَاً وَضِيقِ

آگاہ ہو جاؤ کہ میرا شکوہ اور صبر اور پیاس اور تنگی میں سے جو کچھ مجھ پر پڑا ہے سب اللہ کے لئے ہے۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اس طرح فریاد بلند کی: وَا اَخَاهُ، وَا عَبَّاسَاهُ وَا مُهْجَةَ قَلْبَاهُ، وَا قُرَّةَ عَيْنَاهُ وَا قِلَّةَ نَاصِرَاهُ يَعِزُّ وَاللّٰهِ عَلَيَّ فِرَاقُكَ۔[1]

اے میرے بھائی، اے عباس، اے میرے میوۂ دل، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، وائے میرے مددگاروں کی کمی، خدا کی قسم! تمہاری جدائی مجھ پر بہت شاق ہے۔

جناب عباس علیہ السلام واقعہ کربلا میں موجود دشمنوں تک کے لئے خیر خواہ اور انہیں وعظ و نصیحت کرنے والے تھے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ:

[1] موسوعۃ کلمات الامام الحسین علیہ السلام، ص ۵۶۹

جب جناب عباس علیہ السلام نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی تنہائی کو دیکھا تو آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: کیا اجازت ہے؟ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام بہت روئے اور فرمایا: بھیا! تم تو میرے علمبردار ہو جب تم بھی چلے جاؤ گے تو میرا لشکر بکھر جائے گا۔ جناب عباس علیہ السلام نے عرض کیا:

میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور میں زندگی سے تھک گیا ہوں ان منافقوں سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

ان بچوں کے لئے ذرا پانی کا انتظام کر دو۔ جناب عباس علیہ السلام گئے، دشمنوں کو وعظ و نصیحت کی، انہیں ڈرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ واپس امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور آپ سے ماجرا بیان کیا۔

پس عباس اس ذات کا نام نامی ہے جو ایسے سخت حالات میں لشکر حسینی پر ظالم و جابر اور فاسد و بے کار دشمنوں کی طرف سے وارد ہونے والی ہر طرح کی مصیبتوں کے باوجود اس لشکر کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔

جناب عباس علیہ السلام اپنے بھائیوں کو بھی اس بات کا حکم دیتے تھے کہ وہ خدا کے لئے اور رسول خداؐ کے لئے ناصح اور خیر خواہ رہیں جیسا کہ شیخ مفیدؒ کی کتاب الارشاد میں آیا ہے:

جب جناب عباس علیہ السلام نے اپنے لشکر کے بہت سے سپاہیوں کی شہادت کو دیکھا تو اپنے بھائیوں (عبد اللہ، جعفر اور عثمان) سے فرمایا:

اے میرے بھائیو! آگے بڑھو کہ میں تمہیں خدا اور رسولؐ کے لئے خیر خواہ دیکھوں۔

پس جناب عباس ہی صرف ناصح اور خیر خواہ نہ تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اور اپنے بھائیوں کی تربیت بھی اسی بات پر کرتے تھے کہ وہ بھی ناصح اور خیر خواہ رہیں۔

# امام سجاد علیہ السلام کی سیرت میں خارجی سیاست کے اصول

منہال رضا خیر آبادی

عصر حاضر کی سیاست کو سمجھنے کیلئے میکاولی کے سیاسی نظریات کا مطالعہ ضروری ہے جو یا تو عصر حاضر کی سیاست کا عکاس، یا موجودہ دور میں عالمی سیاست کا محور ہے۔ اٹلی کے سیاسی مفکر میکاولی کے مطابق میں سیاست میں اخلاقیات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، کسی بھی طرح اقتدار کو حاصل کر کے اس کو استحکام بخشا جاسکتا ہے۔

میکاولی کی کتاب "دی پرنس" کی طباعت کو ایک عرصہ گزر چکا ہے مگر آج بھی اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر ارباب ساست گامزن ہیں۔ اس کتاب میں ارباب سیاست کو نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ جھوٹ، فریب، عیاری مکاری سے استحکام و بقاء اقتدار کے لیے ہر ممکن استفادہ جائز و ضروری ہے، کہتے ہیں کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا مگر میرے خیال سے دماغ بھی نہیں ہوتا ہے ورنہ سیاسی تواریخ اتنی عبرتناک بھی نہ ہوتیں۔

ایک کامیاب حکمراں کے بارے میں اس کتاب میں بتایا گیا کہ ایک کامیاب حاکم وہ ہے جو صرف حکم چلانا جانتا ہو اس کا اخلاقیات سے دور دور کا رشتہ نہ ہو، اس کے سینے میں دل کے بجائے سنگ گراں رکھ دیا گیا ہو۔

سیاست کے عالمی منظر نامہ کا مطالعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دور حاضر میں سیاست کا محور و اساس میکاولی کے بیان کردہ خطوط و اصول میں جہاں حکمران قتل و غارتگری، غصب و نہب، مکاری و دسیسہ کاری، لشکر کشی کے ذریعے اپنے اقتدار کو قائم رکھتا ہے، ہر بلند ہونے والی مخالف آوازوں کی سرکوبی کے لئے ہر جتن کئے جا رہے ہیں، نفرتوں کا بازار گرم، عداوتوں کا دور دورہ، قتل و خون کو ننگ و عار نہیں سمجھا جاتا ہے، حقوق انسانی کی پائمالی عام ہے، بے گناہوں کو تہ تیغ کرنا کوئی بات نہیں، لشکر کشی اور تاناشاہی کے اس پر ہول ماحول میں عوام صاحبان اقتدار کے ہاتھوں کھلونا بنی ہے، کبھی کسی شہر کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے تو کبھی کسی ملک و ملت کو خواہشات کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے اور یہ سارے حالات و مناظر روزمرہ کے معمول بنتے جا رہے ہیں۔

سیاست کا یہ مکروہ چہرہ جو عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ دین اور سیاست میں جدائی کر دیا گیا ہے تاریخ گواہ ہے جب اہل سیاست نے سیاست کو دینی آئین اور الٰہی فرامین سے دور کیا تب تب دنیا نے ظلم و ستم، غارتگری دہشتگردی، نا انصافی و بے اعتدالی، بدعنوانیوں کا مشاہدہ کیا ہے، سماج کے خونخوار معاشی درندے بے لگام اور وحشی ہو جاتے ہیں، فلاح و بہبود کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی کا نمونہ بن جاتا ہے۔

سقراط کا سیاسی ہتھیار اور سیاسی چہار دیواری کی بنیاد سوال اور صرف سوال تھا جس کی جوابدہی ریاست کی ذمہ داری ہے، سوال اٹھنا بند ہو جائے تو آمریت عام اور سوال کے راستے مسدود ہو جائیں تو فسطائیت جنم لیتی ہے جو آج کے عالمی سیاست کا جزو لاینفک ہے۔

فسطائیت ایک طرز عمل ہے جس کا تعلق ریاست، سیاست، شخصیت و سماج میں سے ہر ایک سے ہو سکتا ہے اور یہی دور حاضر میں عالمی سطح پر جمہوریت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، من پسند حقوق انسانی، شخصیت پرستی اور ذاتی مفادات کو عالمی سامراج نے عوامی لبادہ اڑھا کر جمہوریت کو ننگ و عار بنا دیا ہے سوالات، تنقید اور اختلاف نظر کی مجال ختم ہوتی نظر آرہی ہے اور سوشل میڈیا کے فسطائی ہتھکنڈوں نے سوال کرنے والے کو ہی کٹگھرے میں لاکھڑا کیا ہے، معقولیت کو مقبولیت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

ادیان عالم کی بھیڑ میں اسلام ایک جامع دین اور مکمل دستور حیات ہے جس نے انفرادی زندگی لیکر اجتماعی حیات تک کی اصلاح کے زرین اصول و خطوط متعین کئے ہیں، اسلام کے بیان کردہ نظام زندگی میں نہ صرف یہ عبادات کو اہمیت حاصل ہے بلکہ دنیاوی معاملات، معاشرتی طور طریقہ میں اخلاق کو بنیادی حیثیت دی گئی، نظام معیشت ہو یا نظام حکومت ہر ایک شعبہ میں دین کی بالادستی و حکمرانی ضروری ہے۔ اسلامی نکتہ نظر سے عدل وانصاف کے محور پر قوم وملت کی معاشی صورتحال کو بہتر کرنے کیلئے تدابیر تیار کرنا، دنیوی واخروی خساروں سے بچانے کے لئے عوام کی صحیح راہنمائی کی تگ و دو وہ بنیادی اصول ہیں جو سیاست کا لازمی حصہ ہیں۔ جوڑ توڑ کی سیاست کا اسلام سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں ہے مگر افسوس یہ سیاست اسلامی مما لک سے لیکر مذہبی مراکز تک میں ہے رچی بسی نظر آتی ہے۔ سیاسی شعبدہ بازی عام ہوتی جارہی ہے۔

اس مختصر مقالہ میں ہم اسلامی سیاست کے ان زرین خطوط واصول کا اجمالی تذکرہ درج کریں گے جن پر چل کر امام سجادؑ نے اس دور کے معاشرہ کی راہنمائی کیا جس پر آمریت و فسطائیت کا گہرا و دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ تصور سے بالاتر بحرانی حالات میں رہبری امت کا بار گراں امام سجاد کے کاندھوں پر تھا جس کو حکیمانہ سیاسی تدبر کے ساتھ انجام دیا علم وفرہنگ کی جڑیں جو اس دور میں کمزور ہو گئی تھیں اسکو زندہ کیا اور معاشرہ میں جڑیں اتنی مضبوط کیا کہ دشمن کو مایوسی وندامت کا سامنا کرنا پڑا۔

ہادیان دین برحق نے اسلامی خارجہ پالیسی کے جن اصولوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں اہم ترین اصول روابط کا دائرہ اسلامی وانسانی روابط کے سلسلے کے بنیادی اصول پر قائم ہونا۔ ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھنا۔ کسی کے داخلی امور میں دخالت سے پرہیز کرنا، مدارات، صلح وآشتی، بے جا غلبہ اور بالادستی سے پرہیز، ظلم واستبداد سے اجتناب، معاہدات کی پابندی، دشمن شناسی ودشمن ستیزی، سیاسی امنیت وغیرہ شامل ہیں۔

رسالہ حقوق امام سجادؑ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام نے مسائل کے پیش نظر بہت ہی ظریف ولطیف نکات کا تذکرہ کیا ہے جس کی طرف دور حاضر کی قانون ساز کمیٹی کے اراکین یا تو توجہ نہیں کرتے ہیں یا بہت ہی کم توجہ کرتے ہیں، جب کہ وہ نکات انسانی روابط میں کلیدی اہمیت کے حامل ہیں، امام سجادؑ کی نظر میں انسانوں کی باہمی معاشرت اور حکومتی مشینری سے تعلق کے نتیجہ میں کچھ ذمہ داریاں اور متقابل فرائض جنم لیتے ہیں ان میں اس سے اہم ترین ذمہ داری اخلاقی پشت پناہی و حمایت ہے جس کا سب سے اہم فائدہ سماج سے بے عدالتی کا خاتمہ اور اخلاق حسنہ کا فروغ ہے۔

حقوق عقلی و شرعی احکام کا وہ مجموعہ ہے جو دو آدمیوں یا دو گروہوں کے درمیان کے رابطہ کو منظم و مستحکم کرنے کا عمل انجام دیتا ہے اور بشر اپنے عاطفی واحساساتی روابط کی تنظیم میں ایک ایسے نظام کے محتاج ہیں جو انھیں بے راہ روی، ظلم و تعدی سے روک کر جادہ اعتدال پر گامزن رکھیں۔

تعلیمات امام سجادؑ کی روشنی میں یہ بات بآسانی کہی جاسکتی ہے کہ امام نے انفرادی معاملات میں اصول اخلاق کی بہت زیادہ تاکید فرمایا ہے لیکن ساتھ ہے ساتھ سماج کی سلامتی کیلئے ادائیگی حقوق کو بھی اہم بتایا ہے، اقتصادی وسیاسی مسائل میں حقوق پر گامزن رہنے کی تاکید کیا ہے۔ سیاسی روابط میں اخلاقیات سے استفادہ کو اہم جانا ہے مگر چونکہ منافع و مصالح سیاسی روابط متصادم ہو سکتے ہیں اسلئے حقوق کے ذریعہ اس تصادم کا خاتمہ ممکن ہے۔

امام سجادؑ ایک روز مسجد سے باہر تشریف لائے ایک شخص نے نازیبا کلمات آپ کے لئے استعمال کئے ساتھ میں موجود افراد نے اسکو سبق سکھانا چاہا مگر امام نے منع فرمادیا کیونکہ امام جانتے تھے کہ غصہ کا سبب کیا ہے وہ مالی مشکلات جس نے اسکو اس کام پر مجبور کیا تھا لھذا امام نے مال دیکر زبان خاموش کر دیا (کشف الغمہ)

آج بھی سماج میں بہت سے مسائل دشمنی و عناد کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں جو بسا اوقات اہانت مذہب تک پہونچ جاتی ہیں۔ اور گہرائی و گیرائی میں اتر کر دیکھا جائے تب اندازہ ہوتا ہے کہ حرماں نصیبی نے ان مسائل کو جنم دیا ہے۔

عصر حاضر میں اسلامی سیاست کے ماہرین دو گروہ میں تقسیم ہو چکے ہیں کچھ کا نظریہ ہے خوف ودہشتگردوں کے ذریعہ اسلام کی بالادستی و حکمرانی قائم کرنا غیر آئینی نہیں ہے بلکہ عین سیاست ہے جبکہ بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ خوف وہراس کی جمی گرد کو صاف کر کے مسالمت آمیز رویہ اپنانا قرین عقل و مطابق اسلام ہے اسلام کی خارجہ پالیسی صلح وآشتی کی بنیاد پر ہے۔

امام سجادؑ نے اسلامی سماج میں مختلف الانواع بحران کے جنم لینے اور اس کے خاتمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے صحیفہ سجادیہ کی بیویں دعا میں ارشاد فرمایا:

"اللَّهُمَّ لَا تَدَعْ خَصْلَةً تُعَابُ مِنِّي إِلَّا أَصْلَحْتَهَا، وَلَا عَائِبَةً أُوَنَّبُ بِهَا إِلَّا حَسَّنْتَهَا، وَلَا أُكْرُومَةً فِيَّ نَاقِصَةً إِلَّا أَتْمَمْتَهَا"

ایک بہترین سماج و معاشرہ کی تشکیل، موجودہ زمانہ کے مشکلات کا حل اور ان کے انسداد کی راہوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَيَجَانِ الْحِرْصِ، وَ سَوْرَةِ الْغَضَبِ، وَ غَلَبَةِ الْحَسَدِ، وَ ضَعْفِ الصَّبْرِ، وَ قِلَّةِ الْقَنَاعَةِ، وَ شَكَاسَةِ الْخُلُقِ، وَ إِلْحَاحِ الشَّهْوَةِ، وَ مَلَكَةِ الْحَمِيَّةِ وَ مُتَابَعَةِ الْهَوَى، وَ مُخَالَفَةِ الْهُدَى، وَ سِنَةِ

الْغَفْلَةِ، وَ تَعَاطِي الْكُلْفَةِ، وَإِيثَارِ الْبَاطِلِ عَلَى الْحَقِّ، وَ الْإِصْرَارِ عَلَى الْمَأْثَمِ، وَ اسْتِصْغَارِ الْمَعْصِيَةِ، وَ اسْتِكْبَارِ الطَّاعَةِ"

حسن سلوک، مدارات انسانی فطرت کا حصہ ہیں جو جذبہ رحمت و عطوفت کی بنیاد پر ہے اپنے ساتھ مدارات، اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ مدارات، مخلوقات الہی سے مدارات سیاسی رفتار و عمل کا ایک حصہ ہونا چاہئے دعاء مکارم الاخلاق میں انسانی فضائل و کمالات کو پروان چڑھانے اور اس کے استحکام کی راہوں کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ أَعِزَّنِي وَلَا تَبْتَلِيَنِّي بِالْكِبْرِ، وَ عَبِّدْنِي لَكَ وَلَا تُفْسِدْ عِبَادَتِي بِالْعُجْبِ، وَ أَجْرِ لِلنَّاسِ عَلَى يَدِيَ الْخَيْرَ وَلَا تَمْحَقْهُ بِالْمَنِّ، وَهَبْ لِي مَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَ اعْصِمْنِي مِنَ الْفَخْرِ.

قرآن و سنت اور تعلیمات ائمہ معصومین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام احترام انسانی کا نہ صرف داعی ہے بلکہ عملی تعلیم بھی دیتا ہے ایک اسلامی ریاست کو غیر مسلموں سے کسی قسم کا امتیازی رویہ اپنانے کا حق حاصل نہیں ہے، ان پر ظلم و تعدی اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے، اخلاقیات سیاسی زندگی کا رکن رکین ہیں، مگر موجودہ حالات میں یکسر فقدان نظر آتا ہے بے حسی، خود غرضی کے مکڑجال نے سیاست کو اتنا رسوا کیا کہ با اخلاق و پاکیزہ نفس افراد سیاست کے گورکھ دھندے میں پڑنے کو غیر اسلامی تصور کرنے لگے ہیں، موجودہ زمانہ کی سیاست بلا شبہ مفاد پرستوں کے ہاتھوں بہت رسوا ہوئی ہے اور روز بروز رسوائی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اسکا واحد سبب تعلیمات اسلامی اور ارشادات ہادیان برحق سے دوری کا نتیجہ ہے۔

اسلام کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے: نہ ظلم سہو نہ ظلم کرو، موجودہ حالات میں عالمی سیاسی منظر نامہ ظلم و ستم کی داستان سے بھرا ہوا ہے، اجتماعی و انفرادی مظالم کے قصے ہر روز سننے میں آتے رہتے ہیں ارباب اقتدار مملکتی توسیع، استحکام اقتدار کے لئے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال عام باب ہے، لبنان ہو یا فلسطین عالمی استکبار و استعمار کا تختہ مشق بنا ہوا ہے جبکہ اسلام نے کس بھی نوعیت کے ظلم کرنے اور ظلم سہنے کی اجازت کسی کو نہیں دیا ہے۔

صحیفہ سجادیہ کی چودھویں دعا میں امام فرماتے ہیں

:اللَّهُمَّ فَكَمَا كَرَّهْتَ إِلَيَّ أَنْ أُظْلَمَ فَقِنِي مِنْ أَنْ أَظْلِمَ. اللَّهُمَّ لَا أَشْكُو إِلَى أَحَدٍ سِوَاكَ، وَلَا أَسْتَعِينُ بِحَاكِمٍ غَيْرِكَ، حَاشَاكَ، فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَصِلْ دُعَائِي بِالْإِجَابَةِ، وَ اقْرِنْ شِكَايَتِي بِالتَّغْيِيرِ. اللَّهُمَّ لَا تَفْتِنِّي بِالْقُنُوطِ مِنْ إِنْصَافِكَ، وَلَا تَفْتِنْهُ بِالْأَمْنِ مِنْ إِنْكَارِكَ، فَيُصِرَّ عَلَى ظُلْمِي، وَ يُحَاضِرَنِي بِحَقِّي، وَ عَرِّفْهُ عَمَّا قَلِيلٍ مَا أَوْعَدْتَ الظَّالِمِينَ، وَ عَرِّفْنِي مَا وَعَدْتَ مِنْ إِجَابَةِ الْمُضْطَرِّينَ. اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَ وَفِّقْنِي لِقَبُولِ مَا قَضَيْتَ لِي وَ عَلَيَّ وَ رَضِّنِي بِمَا أَخَذْتَ لِي وَ مِنِّي، وَ اهْدِنِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ، وَ اسْتَعْمِلْنِي بِمَا هُوَ أَسْلَمُ. اللَّهُمَّ وَإِنْ كَانَتِ الْخِيَرَةُ لِي عِنْدَكَ فِي تَأْخِيرِ الْأَخْذِ لِي وَ تَرْكِ الِانْتِقَامِ مِمَّنْ

ظَلَمَنِی إِلَی یَوْمِ الْفَصْلِ وَ مَجْمَعِ الْخَصْمِ فَصَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ، وَ أَیِّدْنِی مِنْكَ بِنِیَّةٍ صَادِقَةٍ وَ صَبْرٍ دَائِمٍ وَ أَعِذْنِی مِنْ سُوءِ الرَّغْبَةِ وَ هَلَعِ أَهْلِ الْحِرْصِ، وَ صَوِّرْ فِی قَلْبِی مِثَالَ مَا ادَّخَرْتَ لِی مِنْ ثَوَابِكَ، وَ أَعْدَدْتَ لِخَصْمِی مِنْ جَزَائِكَ وَ عِقَابِكَ"

دنیا کبھی ظلم و ستم سے خالی نہیں رہی ہے، عالمی استعمار کے ناگفتہ بہ جرائم و مظالم سے انسانیت کانپ رہی ہے صیہونی طاقتوں نے قتل و خون کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اس سے ہر دردمند دل مجروح ہے، ظلم و ظالم کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ ہم اسکا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے ہیں ہمارے فکر و خیال میں ظالم بادشاہ ہوتا ہے مظلوم رعایا ہوتی ہے جبکہ روایات کی روشنی میں اظلم کے تین خصوصیات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

۱۔ ظالم اپنے ماتحت افراد پر طاقت واقتدار کے ذریعہ غلبہ حاصل کرتا ہے اور آمرانہ طرز اختیار کرتا ہے حکم صادر کرنا بُرا نہیں ہے حکم نافذ کرنے کے لئے طاقت کا غلط استعمال برا ہے، اپنے خواہشات کی بے جا کی تکمیل کیلئے جابرانہ انداز حکمرانی برا ہے۔

۲۔ ظالم اپنے سے مافوق کی نافرمانی سے دریغ نہیں کرتا ہے۔

۳۔ ظالم ہمیشہ اہل ظلم کا حامی و مددگار ہوتا ہے، کمزور افراد کی حمایت سے گریز کرتا ہے۔

دنیا کے موجودہ حالات کا مطالعہ ان تین خصوصیات کی روشنی میں کرنے سے حقائق واضح ہوسکتے ہیں کہ فلسطین سے لیکر شام تک بہتی ہوئی خون کی ندیاں، تڑپتی ہوئی لاشوں کے درمیان کون سیاسی روٹی سینک رہا ہے اور کون ظالم کا مقابلہ کر رہا ہے۔ کتنے مفاد پرست ہیں اور کتنے حقیقی اسلام کے متوالے ہیں، دنیا کی تاریخ بے شمار نامور حکمرانوں اور بادشاہوں کی طاقت اور پھر انکے بدترین انجام سے بھری پڑی ہے، آدم سے تا این دم مشاہدات یہ بتاتے ہیں کہ جب جب دنیاوی حکمرانوں نے ظلم و تعدی کیا، انسانیت کی تذلیل کیا، غلام بنایا اپنی حیثیت بھول کر خدا سمجھنے کی غلطی کیا وہ طاقت پاش پاش ہوئی اور نسل نو کیلئے عبرت بن گئی، جہانبانی کی دوڑ میں الہی عدل وانصاف کا خون کیا، خلاق کائنات کے قوانین کو پس پشت ڈالدیا اقتدار کے نشہ میں چور مظالم و ستم پر مبنی نظام مسلط کیا اور اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے ہر حربہ استعمال کیا نتیجہ ایک دن تاریخ کے گورستان میں منوں مٹی کے نیچے دبا دیئے گئے اور سارا غرور چکنا چور ہو گیا۔

اسلامی سیاست کی خارجہ پالیسی کا ایک محور امنیت عامہ اور سرحدوں کی حفاظت ہے سماج میں امن و امان قائم کرنا، سرحدوں کی حفاظت اغیار کے حملوں سے سیاسی خارجہ پالیسی کا اہم حصہ ہے۔

امنیت زندگی کے ہر شعبہ میں ضروری ہے، جس کی تاکید فرامین ائمہ معصومین میں بہت زیادہ ملتی ہے، معاشرہ کی ترقی وبقاء خوشحالی و رفاہی اقدامات کو عملی جامہ پہنانے میں امنیت کا اہم کردار ہے، وفاعی نظام کی تنظیم و تنسیق، استحکام وار تقاد اسی کی مرہون منت ہے امام سجاد نے ظلم ستیزی، اپنے دور کی جابرانہ حکومت سے بیزاری کے ساتھ ساتھ امت اسلامیہ کے مصالح و مفادات کی حفاظت کی خاطر، اغیار کے حملوں اور دشمنوں کی دھمکیوں کا مقابلہ کرنے کی جو پالیسی تعلیم فرمایا ہے وہ آج کے دور بلاخیز میں بھی قابل عمل و اجراء ہے۔ صحیفہ سجادیہ کی دعاؤں میں عرفانی، اخلاقی مطالب کے ساتھ ساتھ سیاسی، اجتماعی و دفاعی نظام کو دعا کے قالب میں بیان فرمایا ہے۔ علمی و اقتصادی ترقی، انفرادی واجتماعی استعداد اور صلاحیت کی نشوٗنما امنیت کے زیر سایہ ممکن ہے۔

دعاء نمبر ۴۹ میں دفاعی نظام، حکام عصر کے مظالم سے امت اسلامیہ کی حفاظت کے طور طریقہ کے حوالہ سے بارگاہ خدا میں دعا کرتے ہوئے واضح فریا کہ اگر امداد الٰہی نہ ہوتی تو ہمارے دفاعی قوانین اور اقدامات نقش بر آب ہو جاتے مگر ذات باری کا لطف و کرم شامل حال رہا اور ہم کامیاب ہوئے، دشمن جس کے تمام منصوبوں کا دارومدار ذاتی توانائی، اسلحہ کی قوت، جدید ٹیکنالوجی پر ہوتا ہے وہ اپنی کامیابیوں میں صرف اسی کو موثر مانتا اور جانتا ہے اس غلط تصور کو بھی امام نے عام اور واضح کر دیا۔

امن معاشرہ کی اس کیفیت کا نام ہے جہاں تمام معاملات معمول کے ساتھ بغیر کسی قسم کے تشدد و اختلاف کے چل رہے ہوں اس کیفیت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد سماجی اور سیاسی حقوق اور تحفظ کو محسوس کرتے ہیں۔

خارجی سیاست میں عہد و پیمان اور معاہدات و تفاہم نامہ کے سلسلے میں کیا آئین اور کیا قوانین ہیں اس سلسلے میں امام سجادؑ نے اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں عملی اور گفتاری انداز میں الٰہی موقف کی وضاحت فرمایا ہے، اسلامی سماج کو مذہب نے بالکل یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ کسی غیر سے بھی کئے ہوئے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرے اور معاہدات کو بغیر کسی شرعی عقلی، انسانی جواز کے پامال کرے

مروی ہے کہ امام سجادؑ نے ایک شخص سے دس ہزار درہم قرض کا مطالبہ کیا اس نے اس قرض کے عوض گارنٹی کا مطالبہ کیا امام نے اپنی عباء سے ایک دھاگا نکال کر دیا اور فرمایا یہ تمہارے پاس بطور ضمانت رہے اس نے غم و غصہ کا اظہار کیا امام نے فرمایا میں زیادہ وفادار ہوں یا حاجب ابن زرارہ اس شخص نے کہا آپ زیادہ وفادار ہیں امام سجادؑ فرمایا کہ حاجب کافر ہو کر ایک لکڑی کی کمان ایک لاکھ درہم قرض کے عوض ضمانت کے طور پر رکھتا ہے اور اس کو قبول کر لیا جاتا ہے تو میری عبا کا ایک دھاگا میرے قرض کے عوض گارنٹی نہیں بن سکتا ہے؟ اس نے قرض دیا وقت معینہ پر اپنا پیسہ واپس لینے پہونچا تو امام نے اپنا وہ دھاگا طلب کیا تو پتہ

چلا کہ گم ہو گیا ہے امام نے فرمایا اپنا مال مجھ سے واپس نہ لو کیونکہ تم نے اپنے عہد و پیمان بے وقعت سمجھا پھر بھی امام نے اس کا پیسہ واپس کر دیا۔

امام یہ سمجھانا چاہتے ہیں زندگی کے ہر شعبہ میں عہد و پیمان معمولی ہو یا بڑا اہمیت کا حامل ہے تو خارجی سیاست کا دائرہ تو بہت زیادہ وسیع ہے جہاں بد عہدی اسلام کی آبرو ریزی کا سبب ہے مسلمانوں کا وقار داؤں پر ہوتا ہے، ایسے میں اسلام ہر گز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا ہے کہ انسان معاہدات کو پامال کر کے وقار و عظمت اسلام و مسلمین کو خدشہ پہونچائے۔

امام زین العابدینؑ نے جنگ و جدال کو امر مذموم بتایا ہے صرف حق کی سربلندی کے لئے جنگ کو صحیح بتایا ہے، اسلامی سیاست، الٰہی و قرآنی اصول ریاست میں جنگ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایک اسلامی لشکر کے سپاہی کے اندر شریعت، عدالت و معرفت کی حکمرانی، راہ توحید میں جنگ و قربانی اس کا وطیرہ ہے، کشور کشائی کی راہ میں بے گناہوں کے خون سے ہولیاں دنیاوی تاجداروں کے سپاہی کھیلتے ہیں، مادی منافع کی تکمیل کے لئے گودیاں اجاڑنے والے دنیا پرست حکمراں کے فوجی ہوتے ہیں، اپنے ملکی مسائل سے لوگوں کی نگاہیں پھیرنے کیلئے دوسرے مما لک کے باشندوں کی زندگیاں شدائد و آلام کی بھٹی میں جھونکنے والے طاغوتی لشکر کے افراد ہوتے ہیں، کسی کی سلطنت پر قبضہ جمانے کیلئے بستیاں تاراج کرنے والے ابلیسی فوج کے کمانڈر ہوتے ہیں، الٰہی نمائندے، ربانی لشکر کے سپاہی کردار و عمل، امن پسند طبیعت، حقوق کی رعایت صلح و آشتی کے ذریعہ دلوں پر راج کرتے ہیں۔ توسیع مملکت کی غرض سے فوج کشی نہیں کرتے ہیں۔ پرامن دعوت و تبلیغ سے ذہنوں میں انقلاب فکروں میں جولانی پیدا کر کے ارباب اقتدار و صاحبان تاج کو اپنے حسن سلوک سے مجبور کر دیتے ہیں کہ تاج شاہی، زمام اقتدار، ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیں، حبشہ کی ہجرت، اہل فدک کا فدک پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حوالہ کر دینا اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے جنگ کا ایک مقصد جان، مال اور ناموس کی حفاظت کرنا ہے یہ مقصد عقل و فکر کے معیار پر بھی درست ہے مظلومین کی حمایت کیلئے جنگ کی اجازت اسلام نے دی ہے امام سجادؑ نے دعاء نمبر ۳۸ میں ارشاد فرمایا:

اللهم انی اعتذر اليك من مظلوم ظلم بحضرتی فلم انصره ............................ فلم اعذره

امام نے مظلوم کی امداد نہ کرنا نعمت الٰہی کے کفران کے مترادف بتایا ہے، ایک مظلوم کیا آرزو یہ ہوتی ہے کہ اگر ہم پر ظلم ہو تو ہر ایک ہماری نصرت کرے، فریاد رسی کرے تو ہمیں بھی مظلومین کی نصرت سے گریز نہیں کرنا چاہئے، آج کے حالات میں اسلامی جمہوریہ ایران نے فلسطین، لبنان، عراق و شام کے مظلومین کی ہر ممکن امداد کر کے انسان دوستی کا وہ اسلامی تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جو

تعلیمات اسلامی میں مذکور ہے اس کے مدمقابل چند ایسے کلمہ گو حکمراں بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو نظام مصطفیٰ کے نفاذ، شریعت الٰہی کی بالادستی کا دم ضرور بھرتے ہیں لیکن عملی اقدام کے وقت خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات انکی خاموشی ظالموں کو شہ دیتی ہے مزید ظلم و ستم کی۔

دشمن شناسی اور دشمن ستیزی امام سجادؑ کی سیاسی سیرت میں خارجہ پالیسی کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک ہے اس سیرت کی جھلک واقعہ عاشورا کے بعد بہترین انداز میں نظر آتی ہے دوران اسیری امام نے جناب زینبؑ کے ہمراہ عوام کے اذہان کو بیدار کرنے اور اصلی دشمن کے چہرہ سے نقاب کشائی کا فریضہ انجام دیا وہ بھی تاریخ کے بدترین و سخت ترین موڑ پر، دنیاداری سے دوری اور آخرت میں دلچسپی اسطرح کہ دنیاوی امکانیات سے آخرت کو سنوارنے کی کوشش ہو اور دنیاداری کے بے جا اصولوں سے اجتناب کر کے آخرت اور دنیا کا سکون حاصل ہو۔

امام نے اخروی حیات کی اہمیت کو اجاگر کر کے دو طرز فکر و خیال کی اصلاح کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے ایک مسلمانوں کے انداز فکر میں تبدیلی پیدا کرنا تاکہ نشر قوانین اسلامی کے مواقع زیادہ سے زیادہ فراہم ہوسکیں دوسرے اپنے شاگردوں کو دیگر اقوام سے روابط کے سلسلے میں انداز فکر کو تبدیل کریں ان کا طرز عمل عقیدہ آخرت پر مبنی ہو کسی قسم کا اضمحلال و حیرانی کا شکار نہ ہوں۔

یہ چند خارجی سیاست کے اصول تھے جو امام کی سیرت، فرمودات وادعیہ وغیرہ میں جابجا نظر آتے ہیں۔ اے کاش دنیا کے سیاستمداران اصولوں کو اپنی سیاسی پالیسیوں کا حصہ قرار دیتے تو یہ دنیا میں سسکیوں کی دلفگار، آہ و کراہ کی دلخراش صدائیں پردہ سماعت سے نہ ٹکراتیں اور دنیا میں امن وامان کا بول بالا ہوتا

# امام سجاد علیہ السلام کی نظر میں گناہوں کے آثار

سید منظور عالم جعفری سرسوی

**مقدمہ:**

امام سجاد علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی بدعنوان حکومت میں رہ کر جن حالات میں زندگی بسر کی، اس ماحول اور حالات نے امام زین العابدین علیہ السلام کو دعا کی شکل میں اسلامی طرز زندگی اور اسلامی نظریات کو بیان کرنے پر مجبور کیا۔ آپ علیہ السلام نے اس اسلوب کے ذریعہ تحریک اسلامی کو عملی جامہ پہنایا، اور انسانیت کو بقائے دین و مذہب کے لیے ایک نیا اسلوب عطا فرمایا، آپؑ کا یہ اسلوب اس پر آشوب زمانہ میں ہمارے لیے نمونہ عمل ہے۔

قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں و مناجات میں ہر کام کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ اچھا کام اور برا کام انسانی زندگی میں ایسے آثار چھوڑ جاتا ہے جن سے بچنا ممکن نہیں۔ اسی لیے مثال کے طور پر صدقہ کے لیے طولانی عمر، آفات سے بچنے کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، یا صلہ رحم سے برکت، طولانی عمر جیسے اثرات بیان کیے گئے ہیں، اور اس کے برخلاف قطع رحم کے اثرات اپنے نفس اور اہل و عیال سے رحمت و برکات کو ختم کرنا ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم سورہ اعراف میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾[1] اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے، تو ہم ان کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی، تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا۔

مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں: «إِذَا ظَهَرَتِ الْجِنَايَاتُ ارْتَفَعَتِ الْبَرَكَاتُ»[2] اگر معاشرہ میں برائیاں پھیل جائیں تو اس معاشرہ سے برکات اٹھ جاتی ہیں۔

امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہما السلام نے اپنی مشہور و معرف دعاء کمیل میں گناہوں کی عمومی درجہ بندی اور ان کے اثرات سے متعلق اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن ان کی مثالیں بیان نہیں کیں۔ امام سجاد علیہ السلام نے گناہوں اور ان کی مثالوں کو ایک روایت میں بیان کیا ہے، جس کو ہم اس مضمون میں ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اور اختصار کے مد نظر کوشش کریں گے کہ ان میں سے بعض کی وضاحت کریں۔

---

[1] ۔سورہ اعراف آیت ۹۶۔

[2] ۔غرر الحکم، ح ۴۰۳۰۔

## (ا): وہ گناہ جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں۔

خداوند عالم نے زمین اور آسمان کی تمام نعمتیں انسانوں کے لیے پیدا کی ہیں، لہذا ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

﴿هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[1] وہ خدا وہ ہے جس نے زمین کے تمام ذخیروں کو تم ہی لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

لیکن بعض اوقات خداوند قدوس لوگوں سے یہ نعمتیں واپس لے لیتا ہے، اس لیے نہیں کہ معاذاللہ خدا کا ختم نہ ہونے والا خزانہ ختم ہو گیا ہے، اور نہ ہی حرص اور اس جیسی چیزوں کی وجہ سے، کیونکہ اس کی پاکیزہ فطرت ہر طرح کے عیب سے پاک ہے۔ بلکہ انسان سے ایسے گناہ صادر ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے خداوند عالم نعمتیں واپس لے لیتا ہے یا بدل دیتا ہے، لہذا ضروری یہ ہے کہ ہم ان تمام گناہوں کی معرفت حاصل کریں جو نعمتوں کے واپس لے لینے یا تبدیل ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

اس موضوع سے متعلق ایک روایت کتاب معانی الاخبار میں شیخ صدوقؒ نے ابو خالد کابلی کی سند سے امام سجاد علیہ السلام سے منقول کی ہے، جس میں ہر قسم کے گناہوں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

«قال: سمعت زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام یقول: الذنوب التی تغیر النعم:»[2]، میں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ گناہ جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں

۱- «البغی علی الناس» لوگوں پر ظلم کرنا: امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: «اَلذُّنوبُ التی تُغَیِّرُ النِّعَمَ البَغیُ»[3]، وہ گناہ جو نعمتوں کو تبدیل کر دیتے ان میں سے ایک ظلم ہے۔

اسی لیے مشہور ہے کہ حاکم اگر کافر ہو تب بھی حکومت کر سکتا ہے، لیکن کوئی بھی حاکم ظلم کے ذریعہ اپنی حکومت کو پایدار نہیں رکھ سکتا۔ اسی لیے امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں امام زین العابدین علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «یا بُنَیَّ إِیَّاكَ وَ ظُلْمَ مَنْ لَا یَجِدُ عَلَیْكَ نَاصِراً إِلَّا اللهَ»[4] اے میرے بیٹے کسی ایسے شخص پر ظلم کرنے سے بچو جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

۲- «والزوال عن العادة فی الخیر» نیک عادتوں کا ترک کر دینا: انسان بڑی ہی محنتوں اور ریاضتوں کے بعد اچھی باتوں کی عادت ڈالتا ہے مثلا اول وقت نماز کا پڑھنا، ہر روز تلاوت قرآن کرنا، مستحب نمازوں کا ادا کرنا، غریبوں کی مدد کرنا وغیرہ، لیکن کبھی

---

[1] - سورہ بقرہ آیت ۲۹۔

[2] - معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

[3] - علل الشرایع جلد ۲، صفحہ ۵۸۴۔

[4] - کافی، ج ۲، ص ۳۳۱۔

کبھی دنیا کی مصروفیات انسان کو ان تمام کاموں کو ترک کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں، جس کی وجہ سے خداوند عالم اپنی نعمتوں کو واپس لے لیتا ہے۔

۳- «واصطناع المعروف» معروف (اچھائی) کا ترک کر دینا: شاید امامؑ کا اس جملہ سے مراد امر بالمعروف کا ترک کر دینا ہے۔ مولائے متقیان علیہ السلام فرماتے ہیں:

«لاَ تَتْرُكُوا الاَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ النَّهْىِ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُوَلَّى عَلَيكُمْ شِرَارُكُمْ، ثُمَّ تَدْعُونَ فَلا يُسْتَجَابُ لَكُمْ» نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا نہ چھوڑو، کیونکہ بدکار تم پر غلبہ پالیں گے پھر تم جو دعا مانگو گے وہ قبول نہیں ہوگی۔[1]

۴- «و کفران النعم» کفران نعمت: اللہ تعالیٰ نے ہمیں معرفت نبوت و امامت کی برکت سے لے کر صحت، عقل، ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزوں اور لباس جیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں کی ناقدری کرنے کا نتیجہ بھی اس نعمت کے بدلنے یا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔

۵- «وترك الشكر» شکر کا ترک کرنا: سب سے بڑا شکر کسی نعمت کا اس کے اپنے طریقے سے استعمال کرنا ہے، اور اسے ترک کرنا اس کا غلط استعمال کرنا ہے، مثلاً جوانی گناہ و فساد کی راہ میں، مال کو حرام راہ میں خرچ کیا جائے۔ حدیث کے اس فقرہ کے آخر میں امامؑ نے کلام الٰہی کی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾[2] خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے۔

لہٰذا قرآن کریم کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ پروردگار عالم کسی قوم کو جو بھی نعمت عطا فرماتا ہے وہ ان سے اس کو اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک کہ وہ لوگ خود اس نعمت کی قدر و قیمت کو نہیں کھودیتے۔ اور پھر ان کو اس وقت تک نہیں پلٹاتا جب تک وہ اس نعمت کے قدردان نہ بن جائیں۔

**(۲): وہ گناہ جو ندامت کا باعث بنتے ہیں۔**

بعض گناہ انسان کی ندامت کا باعث بنتے ہیں۔ بلا شبہ، بہت سے معاملات میں، ندامت اور پشیمانی مفید نہیں ہے، اور اس کی اتنی آسانی سے تلافی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف معافی مانگنے اور اظہارِ ندامت سے ہی اس کی تلافی ہو جائے اور صورت حال سابقہ حالت پر آجائے۔ چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام کی اس قیمتی روایت میں پانچ گناہ ایسے ہیں جو شدید ندامت اور پشیمانی کا باعث بنتے ہیں جن کی تلافی آسانی سے نہیں ہو سکتی: ابو خالد کابلی امام سجاد علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں:

---

[1] - نہج البلاغہ، مکتوب ۴۷۔

[2] - سورہ بقرہ آیت ۲۹۔

«......والذنوب التی تورث الندم:»[1] اور وہ گناہ جو ندامت کا باعث بنتے ہیں، آپ علیہ السلام اس قسم کے گناہوں کی چند مثالیں اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱-«قتل النفس التی حرم الله» کسی بے گناہ کا قتل: ایسے جاندار کو قتل کرنا جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم نے ہابیلؑ اور قابیل کے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ جب وہ اپنے بھائی جناب ہابیلؑ کو قتل کرتا ہے اور انھیں دفن کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے، تو خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ﴾[2]

پھر خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھود رہا تھا کہ اسے دکھلائے کہ بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے گا، تو اس نے کہا کہ افسوس میں اس کوّے کے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں چھپا دیتا اور اس طرح وہ نادمین میں شامل ہو گیا۔

۲- «وترك صلة القرابة حتی يستغنوا» صلہ رحم کا چھوڑنا جب تک کہ وہ خود قادر ہو جائیں: رشتہ داروں اور دوستوں سے صلہ رحم کو اس وقت تک چھوڑنا جب تک کہ ان کو اس کی ضرورت نہ رہے، ان گناہوں میں سے ہے جو ندامت اور پشیمانی کا باعث بنتے ہیں، جس کی مثالیں ہم اپنے معاشرے میں روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے اپنی وصیت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا: «اِيَّاكَ وَمُصَاحَبَةَ الْقَاطِعِ لِرَحِمِهِ فَإِنِّي وَجَدْتُهُ مَلْعُونًا فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي ثَلَاثِ مَوَاضِعَ»[3]

میرے بیٹے! اس شخص سے دوستی کرنے سے بچو جس نے صلہ رحم ترک کر دیا ہو، رشتہ داری توڑ دی ہو، کیونکہ میں نے قرآن کریم کی تین آیات میں اسے ملعون پایا ہے۔ وہ تین آیات یہ ہیں:

الف: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ * أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾[4]

تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحبِ اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قرابتداروں سے قطع تعلقات کر لو * یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔

---

[1] -معانی الاخبار، ص۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج۱۶، ص۲۸۱، حدیث۲۱۵۵۶۔

[2] -سورہ مائدہ آیت۳۱۔

[3] -اصول کافی، ج۲، باب من تکرہ مجالستہ، ح۷، ص۶۴۱؛ وبحار الانوار، ج۱۷، ص۲۰۸، باب ۱۴۔

[4] -سورہ محمد آیت ۲۳-۲۲۔

ب: ﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾[1]

اور جو لوگ عہد خدا کو توڑ دیتے ہیں اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے، ان سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں، اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ان کے لئے لعنت اور بد ترین گھر ہے۔

ج: ﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾[2]

جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں، اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں، اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارہ والے ہیں۔

اسلام میں رشتہ داری کو برقرار رکھنے پر اس قدر تاکید کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ایک بڑے طبقے کی اصلاح، مضبوطی، ترقی، اور عظمت دینے کے لیے ہے، خواہ وہ معاشی ہو یا فوجی، اور یا روحانی لحاظ سے۔ اخلاقی پہلوؤں کو اس کی چھوٹی نیکیوں سے شروع کرنا چاہیے اور تمام چھوٹی نیکیوں کی ترقی اور مضبوطی سے ایک عظیم معاشرہ خود ہی درست ہو جائے گا۔

۳- «وترك الصلاة حتى يخرج وقتها» نماز کو اس کے وقت پر چھوڑنا: نماز کو اس وقت تک چھوڑ دینا جب تک کہ اس کا وقت نہ گزر جائے دنیا میں خاص طور پر آخرت میں لمبے عرصہ تک ندامت کا باعث بنے گا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لاَيَنَالُ شَفَاعَتِي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلاَتِهِ»[3] وہ میری شفاعت نہیں پا سکتا جو نماز کو ہلکا جانے۔ (یعنی: نماز کو اول وقت نہ پڑھے)۔

۴- «وترك الوصية ورد المظالم» وصیت کو ترک کرنا اور اور مظلوم کا حق نہ پلٹانا:

آج ہمارے معاشرے میں بعض ایسے لوگ ہیں جو وصیت لکھنے یا وصیت کرنے کو برا سمجھتے ہیں، اور اس کو موت کے مترادف سمجھتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کو اچانک موت آجائے، تو لوگوں کے لیے وصیتیں اور قرض یا نماز اور روزے وغیرہ جو اس کے ذمہ ہیں ان کے بارے میں وصیت نہ کرنے کیوجہ سے وہ قبر میں عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور پھر افسوس کا کوئی فایدہ نہیں ہوگا۔

---

[1] - سورہ رعد آیت ۲۵۔

[2] - سورہ رعد آیت ۲۵۔

[3] - اصول کافی، ج۶، ح ۱۱۶۱۳۳۳، ص ۴۰۰۔

مظلوم کا حق پلٹا دینے کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کسی شخص سے پیسہ لیتا ہے، اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ کس کا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی تلافی کے طور پر خدا کی راہ میں مال دینا چاہیے، اور مال کی ادائیگی کہ وقت اس کے مالکان کی جانب سے نیت نہ کرنا بھی قیامت کے دن ندامت اور پشیمانی کا باعث بنتا ہے۔

۵- «ومنع الزکاۃ حتی یحضر الموت وینغلق اللسان» زکوٰۃ نہ دینا یہاں تک کہ موت آجائے اور زبان بند نہ ہو جائے: عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس نے زکوٰۃ نہیں دی وہی مال دوسروں کو دے دیا جاتا ہے اور وہ اسے استعمال کرتے ہیں، لیکن مال کے مالک کو زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب چکھنا پڑتا ہے۔ زکوٰۃ کو اسلام میں اس حد تک اہم مقام حاصل ہے کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کے بارے میں ۴۵ سے زائد آیات ہیں اور ۴۰ سے زائد آیات میں نماز کے حکم کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم آیا ہے۔

**(۳): وہ گناہ جو عذاب اور مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔**

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اس عظیم روایت میں چار گناہ ایسے ہیں جو انسان کے لیے عذاب اور مصیبت کا باعث بنتے ہیں: ابو خالد کابلی سے آپ علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں:

«......والذنوب التی تنزل النقم:[1] اور وہ گناہ جو عذاب اور مصیبت کا باعث بنتے ہیں، آپ علیہ السلام نے اس قسم کے گناہوں کی چند مثالیں اس طرح بیان کی ہیں:

۱- «عصیان العارف بالبغی» اہل علم کا نافرمانی کرنا: ایک عقلمند اور باشعور شخص خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مذہبی رہنماؤں کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا، کیونکہ ان کی نافرمانی عذاب اور مصیبت کا سبب بنتی ہے۔ مذہبی پیشواؤں، انبیاء، ائمہ اور اعلیٰ حکام کے احکام کی نافرمانی کے اثرات میں سے ایک عذاب الٰہی کا نزول ہے، جس کی واضح مثال قوم نوح، قوم ثمود اور عاد وغیرہ کے واقعات قرآن کریم اور دیگر اسلامی اور تاریخی کتابوں میں درج ہیں۔ لیکن افسوس آج ہمارے معاشرے میں ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جن کو دین کی قطعاً آشنائی نہیں لیکن مراجع کرام کے فتاوی پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بعض افراد جانتے ہیں کہ وہ ان کے برابر علم نہیں رکھتے اور ان کے حکم کی مخالفت جائز نہیں ہے پھر بھی علی الاعلان نافرمانی کرتے ہیں۔

۲- «والتطاول علی الناس» لوگوں کے حقوق کی پامالی کرنا: ہمیں اپنے معاشرہ میں موجود ہر فرد کے حق کا خیال رکھنا چاہیے، اور ان تمام حقوق کی آشنائی کے لیے رسالہ حقوق امام سجاد علیہ السلام کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۳و۴- «والاستهزاء بهم، والسخرية منهم» لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کی تحقیر کرنا: ایک مومن پر جس طرح دوسرے مسلمان کی جان اور اس کے مال کو نقصان پہنچانا حرام ہے، اسی طرح اس کی عزت اور آبرو پر حملہ کرنا بھی قطعاً ناجائز ہے۔ مذاق

[1] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

اڑانے کا عمل دراصل اپنے بھائی کی عزت وآبرو پر براہ راست حملہ اور اسے نفسیاتی طور پر مضطرب کرنے کا ایک اقدام ہے۔ لوگوں کا مذاق اڑانا عذاب الٰہی کا باعث بنتا ہے۔ اس عمل سے قرآن کریم میں خداوند عالم نے واضح طور پر منع کیا ہے، اور فرمایا ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ یَکُونُوا خَیْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ یَکُنَّ خَیْرًا مِنْهُنَّ﴾[1]

ایمان والو خبردار کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ اس سے بہتر ہو، اور عورتوں کی بھی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مسخرہ نہ کرے کہ شاید وہی عورتیں ان سے بہتر ہوں۔

**(۴): وہ گناہ جو قسمت (تقدیر) کے لکھے کو بدل دیتے ہیں۔**

اس میں شک نہیں کہ اللہ سبحانہ تعالی ہی رازق مطلق ہے اور وہ ہی رزق کو تقسیم کرتا ہے، اور کوشش ہی اس کے حصول میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے، لیکن بعض گناہ کوششوں کو بے اثر کر دیتے ہیں اور رزق میں سے اس کے حصہ کو کم کر دیتے ہیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اس عظیم روایت میں پانچ گناہ ایسے ہیں جو انسان کی قسمت (تقدیر) کے لکھے کو بدل دیتے ہیں:

ابو خالد کابلی سے امام سجاد علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں:

«......والذنوب التی تدفع القسم :»[2] اور وہ گناہ جو انسان کی قسمت (تقدیر) کے لکھے کو بدل دیتے ہیں:

۱۔ «اظهار الافتقار» اپنے آپ کو غریب دکھانا: تمام تر خرابیوں کے باوجود یہ ماننا پڑے گا آج کے اس ترقی یافتہ اور مہنگائی کے دور میں لوگوں کی زندگیوں میں بہت سی تبدیلیاں او مشکلات آئی ہیں، لیکن اس کے باوجود اکثر لوگوں کے حالات بہتر ہوئے ہیں، لیکن بد قسمتی سے بعض لوگوں کا یہ رواج ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو فقیر و غریب ظاہر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ نہ ہونے کا گلہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سب کچھ ہونے کے باوجود بھی لوگوں کے آگے دست دراز کرتے ہیں۔ اور اپنے اخراجات پر کنٹرول نہیں کرتے۔ انسان کو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکرگزار ہونا چاہیے اور ہمیشہ لوگوں کے سامنے اظہار فقر سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ ہم سب اللہ کے فقیر اور محتاج ہیں۔

﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیدُ﴾[3]

اے لوگو! تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد و ثنا ہے۔

[1] ۔سورہ حجرات آیت ۱۱۔

[2] ۔معانی الاخبار، ص ۲۷۱۔۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

[3] ۔سورہ فاطر آیت ۱۵۔

۲و۳- «والنوم عن العتمة،وعن صلاة الغداة» عشاء کی نماز پڑھے بغیر سوجانااور نماز صبح کے لیے بیدار نہ ہونا: عام طور پر نماز سے غفلت برکات کی کمی اور رزق کی کمی کا سبب ہے، لیکن نماز عشاء اور فجر کو ترک کرنے سے رزق میں زیادہ کمی اور کم برکت ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے نماز عشاء کے بعد کی دعا رزق میں زیادتی اور تلاش رزق میں آسانی سے مخصوص ہے۔ اور شاید اسی لیے علماء نے بھی نماز عشاء کے بعد رزق میں وسعت کے لیے سورہ واقعہ کی تلاوت کی تلقین کی ہے۔

۴- «واستحقار النعم» نعمتوں کو حقیر جاننا اور ان کی ناقدری کرنا: ہر الٰہی نعمت کا انسانوں کی زندگی میں اہم کردار ہے، اس ہوا پر توجہ دیں جسے بہت سے لوگ الٰہی نعمت نہیں سمجھتے، جب وہ اسے آلودہ کرتے ہیں تو اس کی قدر کرتے ہیں، اللہ کی کسی بھی نعمت کو حقیر سمجھنا انسان کے ہاتھ سے نعمتوں کے چھین جانے کا سبب بنتا ہے۔

۵- «وشکوی المعبود عزوجل» خدا سے شکایت کرنا: کچھ لوگوں کا مزاج ہوتا ہے، ہر بات پر اعتراض کرنا، اور وہ اس بات میں اللہ کو بھی نہیں بخشتے، بلکہ ذرا سی مشکل میں خدا کو خدا ہونا سکھانا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے ایسا کیا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ لہذا ہم جب بھی شکایت کے لیے اپنی زبان کھولیں تو ہمیں اس بات پر توجہ دینی چاہیے کہ خدا قادر مطلق ہے، سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور اس کا نہ دینا بھی حکمت پر مبنی ہے۔

### (۵): عزت و آبرو کو تباہ کرنے والے گناہ۔

بعض گناہ انسان سے عزت و آبرو چھین لیتے ہیں اور اسے معاشرے میں ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں اور اس کی پاکیزگی اور وقار کو ختم کر دیتے ہیں۔ ابو خالد کابلی امام سجاد علیہ السلام سے اس قسم کے گناہوں کی مثالیں یوں بیان کرتے ہیں:

«......والذنوب التی تهتك العصم:»[1] اور وہ گناہ جو انسان کی عزت و آبرو چھین لیتے ہیں

۱- «شرب الخمر» شراب پینا: شراب نوشی یا مے نوشی کسی بھی مست کرنے والی مشروب پینے کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث میں اس عمل کو گناہ کبیرہ محسوب کیا گیا ہے۔ فقہ اسلامی میں شراب خوری کو حرام اور اس کا مرتکب ہونے والے شخص کے لئے سزا کے طور پر ۸۰ کوڑے معین ہوئے ہیں۔ شراب نوشی کے حرام ہونے پر روایات میں جسمی، روحی اور مادی وجوہات اور دلائل پیش ہوئی ہیں۔

۲- «واللعب بالقمار» آلات قمار سے کھیلنا: آلات قمار، ان اوزاروں کو کہا جاتا ہے جو معمولا جوے میں استعمال ہوتے ہیں۔ فقہ میں شطرنج، بیلگمون، تاش اور بلیئرڈز کو آلات قمار میں شمار کیا جاتا ہے، احادیث میں بھی شطرنج اور بیلگمون وغیرہ کو آلات قمار کے نام سے یاد کرتے ہوئے ان سے منع کیا گیا ہے۔ اکثر فقہاء آلات قمار کے ساتھ کھیلنے کو ہر صورت میں حرام قرار دیتے ہیں

[1] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰،وسایل الشیعہ، ج۱۶، ص ۲۸۱،حدیث ۲۱۵۵۶۔

چاہے شرط بندی کے ساتھ ہو یا بغیر شرط بندی کے، البتہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ مذکورہ اوزار اگر عرف عام میں جوا کے ساتھ مختص نہ ہو تو فقہی اعتبار سے بھی یہ اوزار آلات قمار میں شامل نہیں ہو گا۔

۳- «وتعاطي ما يضحك الناس من اللغو والمزاح» مضحکہ خیز اور فضول الفاظ (غلط اور ناجائز) سے لوگوں کو ہنسانا: مذاق کرنا اور لوگوں کو ہنسانا ایک اچھی بات ہے، لیکن اس میں بھی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم ایسے الفاظ کا استعمال نہ کریں جن کا استعمال کرنا غلط اور ناجائز ہو، اور اسی طرح ان تمام اعمال سے بچیں جن کا انجام دینا غلط اور ناجائز ہو۔

۴- «وذكر عيوب الناس» لوگوں کی عیوب کو بیان کرنا: غیبت کا معنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرنا ہے، اور یہ ایک گناہ کبیرہ ہے کہ اسلام میں اس کی نہی کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اس گناہ کو مردہ انسان کے گوشت کھانے سے توصیف کیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾[1]

اور خبردار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کرو کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ روایات میں اس کا گناہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید کہا گیا ہے، غیبت میں مرتکب ہونے کے علاوہ، اس کو سننا بھی حرام ہے۔

۵- «ومجالسة أهل الريب» برے اور مشکوک افراد کے ساتھ بیٹھنا: ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اور کھڑا ہونا جن کی رائے اور عمل مشکوک ہیں، انسان کی عزت و آبرو کے زوال کا سبب بنتا ہے۔ لہذا ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کے ان کے بچوں کی بیٹھک غلط افراد میں نہ ہو۔

**(۶): ایسے گناہ جو آفتیں اور مصیبتیں نازل کرتے ہیں۔**

بعض گناہ انسان پر آفتیں اور مصیبتوں کے نزول کے سبب ہوتے ہیں۔ ابو خالد کابلی امام سجاد علیہ السلام سے اس قسم کے گناہوں کی مثالیں یوں بیان کرتے ہیں:

«...... والذنوب التي تنزل البلاء:»[2]، اور وہ گناہ جو انسان پر آفتیں اور مصیبتوں کے نزول کے سبب ہوتے ہیں:

او۲- «ترك إغاثة الملهوف، وترك معاونة المظلوم» ضرورت مندوں اور مظلوموں کی مدد نہ کرنا: ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہر انسان کا فریضہ ہے، اور اس فریضہ کو ترک کرنا مصیبتوں کے نزول کا سبب بنتا ہے۔ ہمیشہ ہمیں مظلوم کا ساتھ دینا

---

[1] -سورہ فاطر آیت ۱۵۔

[2] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

چاہیے، اور ظالم کی کسی بھی حال میں حمایت نہیں کرنا چاہیے، آج مسلمانوں کی رسوائی کا ایک اہم سبب مظلوموں کی حمایت سے کنارہ کشی اور ظالم کی حمایت کرنا ہے۔

**۳و۴- «وتضییع الامر بالمعروف والنهی عن المنکر» اچھائی کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے کا ترک کرنا:**

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی قوانین میں سے دو اہم قانون اور فروع دین میں سے ہیں۔ قرآن کریم اور معصوم راہنماؤں نے اس فریضہ کے بارے میں کافی تاکید کی ہے۔ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دوسرے ادیان آسمانی نے بھی اپنے تربیتی احکام کو جاری کرنے کے لئے ان کا سہارا لیا ہے۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔

آج معاشرے میں برائیوں کا سرچشمہ ان دونوں واجبات کا ترک کرنا ہے، کربلا کے اہم ترین اہداف میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شمار کیا جاتا ہے، جس معاشرے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہو جاتا ہے، اس معاشرے کے افراد زندہ ہو کر بھی مردہ شمار ہوتے ہیں۔ لہذا اسلامی معاشرے کو اس بات کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینی چاہیے کہ نیکی کو ترک کرنا اور برائی سے منع نہ کرنا معاشرے میں فساد کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجہ میں برائی سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خوبصورت مثال میں معاشرے کو ایک کشتی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: «اگر کشتی میں سوار افراد میں سے کوئی یہ کہے کہ کشتی میں میرا بھی حق ہے، لہٰذا میں اس میں سوراخ کر سکتا ہوں، اور دوسرے مسافرین اس کو اس کام سے نہ روکیں، تو اس کا یہ کام سارے مسافروں کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس لئے کہ کشتی کے غرق ہونے سے سب کے سب غرق اور ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر دوسرے افراد اس شخص کو اس کام سے روک دیں تو وہ خود بھی نجات پا جائے گا اور دوسرے مسافر افراد بھی»[1]۔

اسی وجہ سے امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: ان گناہوں میں سے ایک جو آفات کو نازل کرتا ہے نیکی کا ترک اور برائی سے نہ روکنا ہے۔

**(۷): ایسے گناہ جو دشمنوں کی کامیابی اور قوت کا سبب ہوتے ہیں۔**

ہمارے معاشرے میں موجود بعض گناہوں کی وجہ سے معاشرے پر دشمنوں کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور ایسا معاشرہ دشمنوں کے خلاف مزاحمت اور فتح حاصل نہیں کر سکتا۔ ابو خالد کابلی امام سجاد علیہ السلام سے اس قسم کے گناہوں کی مثالیں یوں بیان کرتے ہیں:

«......**والذنوب التی تدیل الأعداء:**»[2] اور وہ گناہ جو دشمنوں کی کامیابی اور قوت کا سبب ہوتے ہیں:

---

[1] -وسائل الشعیہ جلد ۱۱، صفحہ ۵۲۰۔

[2] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

۱- «المجاهرة بالظلم» ظلم و ستم کا عام ہو جانا: اگر معاشرے میں ظلم و ستم عام ہو جائے، تو آہستہ آہستہ دشمنوں کو اقتدار حاصل کرنے کے لیے زمینہ مہیا ہو جائے گا، اور ظالم و جابر حکراں ان پر مسلط ہو جائیں گے، ظلم و ناانصافی کا ہی نتیجہ ہے کے آج حکومت کی نگاہ ہمارے اوقاف پر ہے۔

۲- «واعلان الفجور» فسق و فجور کا عام ہو جانا: اگر معاشرے میں فسق و فجور عام ہو جائے، تو دشمن مسلط ہو جائے گا، اس بات کا مشاہدہ ہم اپنے موجودہ معاشرے میں کر سکتے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں موجود فسق و فجور کی وجہ سے ہم تمام مشکلات میں مبتلا ہیں، اور دن بدن ہمارا دشمن ہم پر قوی ہو تا جارہا ہے۔

۳- «وإباحة المحظور» حرام کو حلال سمجھنا: واضح رہے کہ اگر کوئی خدائی حرام کو حلال سمجھتا ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ حرام جس کو اس نے انجام دیا ہے مالی امور سے مرتبط ہو یا حجاب اور مذہبی حدود سے، اس کو جاننا چاہیے کہ اس نے دشمن کو مضبوط کرنے کے لیے ایک قدم اٹھایا ہے۔

۴و۵- «وعصيان الأخيار والانصياع للأشرار» اچھے افراد کی نافرمانی، برے افراد کی اطاعت و پیروی کرنا: نیک اور برگزیدہ لوگوں کی فرمانبرداری، اور مذہبی پیشواؤں کا وجود معاشروں کے لیے رحمت الٰہی ہے، ہر اس معاشرے کے افراد جنہوں نے اپنے نیک اور پاکیزہ لوگوں کی اطاعت و پیروی کی، انہوں نے اپنے دشمنوں کو کچل ڈالا، اور ہر وہ معاشرہ جس کے لوگوں نے نیک اور پاکیزہ افراد کی پیروی سے منہ موڑ لیا، ان پر دشمنوں نے غلبہ حاصل کیا، اگر ہم اپنی تاریخ، زمانے خصوصا میڈل ایسٹ کے موجودہ حالات، اپنے ارد گرد اور پڑوسیوں پر ایک نظر ڈالیں تو ہم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

جب حضرت علی علیہ السلام گھر میں رہے، اور لوگوں نے ان کی بات نہ مانی، تو اسلام کے دشمنوں نے اقتدار حاصل کیا، اور اسلام کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بعد یہ واقعات پوری تاریخ میں دہرائے گئے، جب کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کی حمایت نہیں کی، تو یزید جیسا ظالم و جابر مدینہ اور مکہ پر غالب ہو گیا، اور اس نے ایسے ایسے جرائم کو انجام دیا جن سے قیامت تک انسانیت ہمیشہ شرمسار رہے گی۔ لہذا معاشرے کے ہمدرد اور بانفوذ افراد کو چاہیے کہ وہ معاشرے سے برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور بدکاروں کی اطاعت و پیروی سے اجتناب کریں، اور معاشرے میں پاکیزہ، نیک اور مذہبی حکام کی اطاعت اور پیروی کو رائج کریں۔

**(۸): وہ گناہ جو زندگی کو کم کرتے ہیں۔**

بہت سے لوگ عام موت نہیں مرتے، یعنی ان کی موت قطعی موت نہیں ہوتی بلکہ معلق موت ہوتی ہے۔ ایسی موت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

«نَعوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الذُّنُوبِ الَّتِي تُعَجِّلُ الْفَنَاءَ وَتُقَرِّبُ الآجَالَ وَتُخْلِي الدِّيَارَ وَهِيَ قَطِيعَةُ الرَّحِمِ وَالْعُقُوقُ وَتَرْكُ الْبِرِّ»[1]

ہم ان گناہوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، جو جلد تباہی کو سبب ہوتے ہیں اور موت کو قریب لاتے ہیں، اور آبادیوں کو خالی کرتے ہیں، اور وہ گناہ صلہ رحم کو ختم کرنا، ماں باپ سے عاق ہو جانا اور نیکیوں کو چھوڑ دینا ہیں

۔ آپ علیہ السلام نے ایک دوسری حدیث میں یہ بھی فرمایا: لوگ اپنی زندگیوں سے زیادہ اپنی مہربانیوں اور نیکیوں سے جیتے ہیں، اور اپنی موت سے مرنے سے زیادہ اپنے گناہوں کی وجہ سے مرتے ہیں[2]۔

امام سجاد علیہ السلام ان قبل از وقت موت کے اسباب و عوامل کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «......**والذنوب التی تعجل الفناء**»[3] اور وہ گناہ جو زندگی کو کم کرتے ہیں، وہ چھ ہیں:

۱- «**قطیعة الرحم**» رشتہ داروں اور اصحاب رحم سے تعلقات کو منقطع کرنا۔

۲- «**والیمین الفاجرة**» جھوٹی قسم کھانا۔

۳- «**والأقوال الکاذبة**» جھوٹ بولنا۔

۴- «**والزنا**» نعوذ باللہ زنا کرنا۔

۵- «**وسد طریق المسلمین**» مسلمانوں کا راستہ روکنا۔

۶- «**وادعاء الإمامة بغیر حق**» امامت و رہبری کا جھوٹا دعوی کرنا۔

**(۹): وہ گناہ جو رحمت حق سے امیدوں کو منقطع کردیتے ہیں۔**

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: «......**والذنوب التی تقطع الرجاء**»[4] اور وہ گناہ جو امید کو توڑ دیتے ہیں۔ وہ چار ہیں:

۱- «**الیأس من روح الله**» اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔

۲- «**والقنوط من رحمة الله**» رحمت حق کے حصول میں حوصلہ شکنی۔ باوجود اس کے کہ اس کی رحمت نے پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور کافروں اور توحید پرستوں، ملحدوں اور منافقوں سے لے کر ہر کوئی اس کی رحمت سے رزق کھاتا ہے۔

---

[1] -اصول کافی، ج ۲، ح ۱۰۶۹۰۴، ص ۴۴۸۔

[2] -دعوات الراوندی، ص ۲۹۱، ح ۳۳۔

[3] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

[4] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

۳- «والثقة بغير الله» خدا کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ کرنا۔

۴- «والتکذیب بوعد الله عز وجل» خدا کے وعدے کو جھوٹا ماننا۔

**(۱۰): وہ گناہ جو ہوا کو سیاہ کرتے ہیں۔**

ایسا نہیں ہے کہ فضا کو تاریک کرنے میں صرف قدرتی عوامل ہی کارگر ہوتے ہیں، درحقیقت ان واقعات کے پس پردہ روحانی مسائل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ کچھ آفات کو واقعی قدرتی مظاہر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ہم زلزلوں کو قدرتی تعامل سمجھتے ہیں، لیکن واضح رہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تعاملات اتنی خاموشی اور دھیرے دھیرے ہوسکتے ہیں کہ ہمارے پیروں تلے کی زمین بھی نہیں کھسکے۔ ہم ملک کے آسمان پر باریک گرد و غبار کی موجودگی کو ان فطری عوامل سے منسوب کرتے ہیں، یا ہم جنگ اور فوجی حملے کو تیل اور اس جیسی چیزوں کے مسئلے سے جوڑتے ہیں، لیکن واضح رہے کہ یہ سب ہمارے گناہ سے آلودہ ہونے کیوجہ سے ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: «......والذّنوب التی یظلم الهواء» 'وہ گناہ جو ہوا کو سیاہ کرتے ہیں (اور صحیح اور غلط کی تمیز کی طاقت سے محروم کردیتے ہیں)، وہ پانچ ہیں:

۱و۲- «السحر والکهانة» جادو ٹونا اور چھوٹی پشین گوئیاں، جو بد قسمتی سے حالیہ برسوں میں معاشرے میں بہت مقبول ہوا ہے۔ افسوس کامقام تو یہ ہے کہ بعض پڑھے لکھے افراد بھی اس کو سچا سمجھنے لگے ہیں۔ اسی طرح چھوٹی پیشین گوئیاں اس میدان میں بھی، کچھ لوگ جھوٹی اور عجیب و غریب پیشین گوئیوں کی کتاب کھول کر لوگوں کی زندگی سے تفریح کرتے ہیں، زندگیوں کو تباہ کرتے ہیں اور بڑی رقم جیب میں ڈالتے ہیں۔

۳- «والإیمان بالنجوم» قسمت بتانے پر یقین کرنا (اور مستقبل کے بارے میں بتانا)۔ تنجیم کا مطلب موسم کی پیشین گوئی، قسمت اور آسمان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلکیاتی حالات کی بنیاد پر دنیا اور انسانیت کے مستقبل کی پیشین گوئی کرنا، یہ ان چیزوں میں سے ہے جو حرام ہیں، کیونکہ اس پر انسان کا مکمل اختیار نہیں ہے۔ فلکیاتی حالات اور نامکمل علم ہی نامکمل خبروں کی طرف لے جاتا ہے۔

۴- «والتکذیب بالقدر» تقدیر الہی کا انکار کرنا۔ تقدیر اور قضاء و قدر کو جھوٹ ماننا بھی ہوا میں تاریکی کا باعث بنتا ہے۔ واضح رہے کہ خدا کا حکم کسی بھی کام کا حتمی ہونا، اور خدا کی تقدیر ہر کام اور عمل کی پیمائش ہمارے جامع اور اختیاری طرز عمل پر مبنی ہے۔

۵- «وعقوق الوالدین» ماں باپ کا عاق ہونا۔

[1] - معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

**(۱۱): وہ گناہ جو رسوائی کا باعث بنتے ہیں اور رازوں کو فاش کرتے ہیں۔**

بعض گناہوں کی وجہ سے راز فاش ہو جاتے ہیں۔ اور خداوند عالم اس کے پوشیدہ گناہوں کو لوگوں سامنے آشکار کر دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کی معصومیت اور پاکیزگی کا پردہ ہٹ جاتا ہے، اور اس کی رسوائی کا باعث بنتا ہے، پھر اسے معاشرے میں مناسب احترام بھی نہیں ملتا۔ امام سجاد علیہ السلام ان گناہوں کو درج ذیل سمجھتے ہیں:

«......والذنوب التي تكشف الغطاء:»[1] اور وہ گناہ جو رسوائی کا باعث بنتے ہیں اور رازوں کو فاش کرتے ہیں:

۱- «الاستدانة بغير نية الأداء» قرض لینا اور اسے واپس کرنے کا ارادہ نہ کرنا: جیسا کہ فارسی میں مشہور مقولہ ہے کہ راکھ کے نیچے تیل نہیں رکتا، ایک دن یہ بری نیت ظاہر ہو جائے گی اور انسان معاشرے میں قرض لینے کا مقام کھودے گا۔

۲- «والاسراف في النفقة على الباطل» زندگی گزارنے کے اخراجات میں مبالغہ آرائی اور بغیر ضرورت خرچ کرنا۔

۳- «والبخل على الأهل والولد وذوي الأرحام» خاندان، بچوں اور رشتہ داروں کے اخراجات کی ادائیگی میں بخل اور کنجوسی کرنا۔

۴- «وسوء الخلق» دوسروں کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آنا۔

۵- «وقلة الصبر» بے صبری کا مظاہرہ کرنا، جو کہ اکثر اوقات انسان کی رسوائی کا سبب بنتی ہے

۶- «واستعمال الضجر والكسل» بے چینی اور سستی وبوریت کو اپنی عادت بنالینا۔

۷- «والاستهانة بأهل الدين» مذہبی لوگوں کی ان کے پابندی مذہب کیوجہ سے توہین اور تذلیل کرنا۔

**(۱۲): وہ گناہ جو دعا کے قبول ہونے سے روکتے ہیں اور ان کی وجہ سے انسان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔**

بہت سے لوگ ہمیشہ شکایت کرتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ان کو چاہیے اپنی دعا کی عدم قبولیت کیوجہ اپنے اندر تلاش کریں اور اس کو دور کریں، تاکہ خداوند عالم ان کی دعا کو مستجاب فرمائے۔ اس بارے میں امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

«......والذنوب التي ترد الدعاء:»[2] اور وہ گناہ جو دعا کے قبول ہونے سے روکتے ہیں:

۱- «سوء النية» بدنیتی۔ اس کا مطلب غیر الٰہی ارادے یا برے اور ناجائز مقاصد ہو سکتے ہیں- «وخبث السريرة» اندر سے برا ہونا۔ ایسے افراد لوگوں کے خیر خواہ نہیں ہوتے اور ان کی حالت زار پر حسد یا خوشی کی کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے۔

۳- «والنفاق مع الاخوان» برادر دینی کے ساتھ منافقت سے کام لینے سے بھی دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں ہیں۔

---

[1] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

[2] -معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

۴- «وترك التصديق بالإجابة» دعاؤں کی قبولیت کا اعتقاد نہ رکھنا۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ ہمیں دعا کے مستجاب ہونے پر ایسے یقین رکھنا چاہیے گویا ابھی فورا اللہ ہماری دعا کو قبول کرے گا

۵- «وتأخير الصلوات المفروضات حتى تذهب أوقاتها» نماز کو اتنا تاخیر سے ادا کرنا یہاں تک اس کا وقت نکل جائے۔

۶- «وترك التقرب إلى الله عز وجل بالبر والصدقة» خیرات دینے اور نیک کام کرنے سے خدا کا تقرب حاصل نہ کرنا۔ اس قول سے سمجھ میں آتا ہے کہ صرف دعا اور مناجات ہی خدا سے تقرب حاصل کرنے کے اسباب نہیں ہیں، بلکہ صدقہ اور نیک کام کرنا اگر خدا کے لئے ہو، انسان کو خدا کے قریب لاتا ہے، اور انسانی روح کو ترقی و کامیابی عطا کرتا ہے۔

۷- «واستعمال البذاء والفحش في القول» گفتگو میں گندے، ناروا، بے حیائی اور فحاشی پر مشتمل الفاظ کا استعمال کرنا۔

**(۱۳): وہ گناہ جو بارش کو روکتے ہیں۔**

اگرچہ بارش کو ایک قدرتی عمل سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کا تعلق زلزلوں کی طرح انسانی افعال سے بھی ہے۔ خشک سالی کا ہمارے گناہوں کے ساتھ موسمیاتی تبدیلی سے زیادہ تعلق ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے چند ایسے گناہوں کی مثالیں بیان کی ہیں جو بارش کو کم یا روک دیتے ہیں۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: «......والذنوب التي تحبس غيث السماء:»[1] اور وہ گناہ جو بارش کو روکتے ہیں:

۱- «جور الحكام في القضاء» فیصلے اور ثالثی میں حکمرانوں اور ججوں کی ناانصافی۔

۲- «وشهادة الزور» جھوٹی گواہی دینا۔

۳- «والنفاق مع الاخوان» برادر دینی کے ساتھ منافقت سے کام لینے سے بھی دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں ہیں۔

۴- «وكتمان الشهادة» گواہی کو چھپانا اور حق کی گواہی کا نہ دینا۔

۵- «ومنع الزكاة والقرض والماعون» زکات، قرض اور ضروریات کی اشیاء کا ہوتے ہوئے دوسروں کو نہ دینا

۶- «وقساوة القلب على أهل الفقر والفاقة» غریبوں، مسکینوں اور نادار افراد کے ساتھ نرم دلی سے پیش نہ آنا۔

۷- «وظلم اليتيم والأرملة» یتیموں اور بیواؤں پر ظلم کرنا۔

۸- «وانتهار السائل ورده بالليل» مانگنے والے کو گھر کے دروازے سے رات کو مایوس کرنا اور اسے خالی ہاتھ لوٹانا، گناہوں کا یہ مجموعہ دراصل معاشرے کے اہم ترین سوالات کا جواب ہے؟ نعمتیں کیوں بدل جاتی ہیں؟ افسوس کا سبب کیا ہے؟

---

[1] - معانی الاخبار، ص ۲۷۱-۲۷۰، وسایل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۲۱۵۵۶۔

عذاب اور آفت کیوں نازل ہوتی ہے؟ دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتی ہیں؟ کون سے گناہ دشمن کو تقویت دیتے ہیں؟ اور خشک سالی کی وجہ کیاہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

**خلاصہ:** امام سجاد علیہ السلام نے گناہوں اور ان کی مثالوں کو ایک طویل روایت میں بیان کیاہے، جس کو ہم نے اس مضمون میں ذکر کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، جن گناہوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

(۱): وہ گناہ جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں۔

(۲): وہ گناہ جو ندامت کاباعث بنتے ہیں۔

(۳): وہ گناہ جو عذاب اور مصیبت کاباعث بنتے ہیں۔

(۴): وہ گناہ جو قسمت (تقدیر) کے لکھے کو بدل دیتے ہیں۔

(۵): عزت و آبرو کو تباہ کرنے والے گناہ

۔(۶): ایسے گناہ جو آفتیں اور مصیبتیں نازل کرتے ہیں۔

(۷): ایسے گناہ جو دشمنوں کی کامیابی اور قوت کاسبب ہوتے ہیں۔

(۸): وہ گناہ جو زندگی کو کم کرتے ہیں۔

(۹): وہ گناہ جو رحمت حق سے امیدوں کو منقطع کردیتے ہیں۔

(۱۰): وہ گناہ جو ہوا کو سیاہ کرتے ہیں۔

(۱۱): وہ گناہ جو رسوائی کاباعث بنتے ہیں اور رازوں کو فاش کرتے ہیں۔

(۱۲): وہ گناہ جو دعا کے قبول ہونے سے روکتے ہیں اور ان کی وجہ سے انسان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

(۱۳): وہ گناہ جو بارش کو روکتے ہیں۔ ہم نے اس مضمون میں اختصار کے مدنظر ان میں سے بعض کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

# حضرت امام مہدی (عج) فریقین کی نظر میں

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

سبھی نظر کو تیرا انتظار آج بھی ہے          کہاں ہو تم کہ یہ دل بیقرار آج بھی ہے

قطب عالم امکان حضرت صاحب العصر و الزمانؑ کی ذات گرامی ایسی ستودہ صفات ہے کہ آپؑ کی جستجو نہ فقط اسلام و مسلمین کے درمیان اہمیت کی حامل رہی ہے بلکہ دنیا کا ہر انسان آپؑ کے انتظار میں ہے آپ ہی ہماری امید اور ہمارے خوابوں کی تعبیر ہیں۔

منتظر میں بھی میری روح بھی اور جان بھی ہے

آپ کے آنے کی حسرت بھی ہے ارمان بھی ہے

دنیا کے تمام مذاہب و ملل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قیامت سے قبل ایک شخص آئے گا جو اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا اور وہ خدا کا مقرب و برگزیدہ ہو گا۔ یہ عقیدہ دنیا کے تمام ادیان و مذاہب میں ان کے بزرگوں سے سینہ بسینہ منتقل ہوتا آیا ہے

پس عقیدۂ مہدویت صرف عالم اسلام اور امتِ مسلمہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام اقوام عالم میں یہ عقیدہ اور نظریہ "نجات دہندہ" کی حیثیت سے پایا جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ مصداق میں تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اصل موضوع سند اور دلیل کے اعتبار سے ثابت و تصدیق شدہ ہے۔ جیسے صاحب کتاب "نورالانوار" نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے مختلف نام ہر مذہب و ملت میں الگ الگ لیے جاتے رہے ہیں نیز دنیا کے مختلف غیر اسلامی مذاہب کی کتب، توریت و زبور و انجیل و قرآن میں الگ الگ آپ کا تذکرہ موجود ہے

آپؑ کے مشہور نام: قائم، مہدی، منتظر، صاحب الامر، حجت، برہان وغیرہ ہیں۔

صحف ابراہیم میں آپؑ کا نام گرامی صاحب، زبور میں قائم، توریت میں اوقیل اور انجیل میں مہمیذ ہے، زرتشتی کتابوں میں خسرو اور بعض صحف آسمانی میں کلمۃ الحق تحریر ہے۔

کتاب "ہزار ناموہند" میں آپؑ کو لندیطار، برہمنوں کی وید میں منصور کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ عرفاء و صوفیاء میں آپ کا نام قطب مشہور ہے۔ غوث آپؑ کا لقب خاص ہے اور صحرائی عرب بادیہ نشین آپؑ کو اباصالح کے نام سے یاد کرتے ہیں اور آپؑ اسی نام سے زیادہ مشہور ہیں۔[1]

اہل سنت میں بھی حضرت امام مہدیؑ کا تصور احادیث کی بنیادوں پر ثابت ہے؛ اور ان کے آخرت یا قرب قیامت کے نزدیک نازل ہونے کے بارے میں متعدد روایات پائی جاتی ہیں جبکہ شیعوں کے نزدیک حضرت امام مہدیؑ، امام حسن عسکریؑ کے فرزند اور ان کے آخری امام ہیں۔ آپ کی شخصیت وہ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات تمام مستند کتب مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ میں قابل دید ہیں۔

---

[1] روشن مستقبل کا انتظار سید حیدر نقوی

بزرگ سنی عالم محمد بن جعفر بن ادریس بن محمد کتانی فاسی مالکی متوفی ۱۳۴۵ھ اپنی کتاب نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ”میں لکھتے ہیں:
**الاحادیث الواردۃ فی المہدی النتظر بکثرۃ رواتھا من المصطفیٰ بخروج المہدی وانّہ من اھل بیتہ وانّہ یملاء الارض عدلاً**“ بہت سے راویوں کی نقل شدہ احادیث متواتر ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت مہدیؑ کا ظہور ہوگا اور وہ میرے اہل بیتؑ سے ہوں گے وہ سات سال تک حکومت کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے پر کر دیں گے۔[1]
سید محمد صدیق حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ ”**الاذاعہ بما کان ومایکون بین یدی الساعۃ**“ میں لکھتے ہیں:
”**والاحادیث الواردۃ فی المہدی علی اختلاف روایاتھا کثیرۃ جدّاً حتی تبلغ تواتر المعنوی**“ حضرت مہدیؑ کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث روایتوں کے مختلف ہونے کے باوجود بہت زیادہ ہیں، یہاں تک کہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔[2]
اسی طرح شیخ محمد بن احمد سفارینی اثری حنبلی متوفی ۱۱۸۸ھ ”لوامع الانوار البھیۃ وسواطع الاسرار الاثریۃ“ میں لکھتے ہیں: ”**وقد کثرت بخروجہ ، یعنی المہدی الروایات حتی بلغت حدالتواتر المعنوی وشاع ذالک بین علماء السنّۃ حتی عدّ من معتقد اتھم** ۔“ خروج حضرت مہدیؑ کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، یہاں تک کہ حد تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اور یہ علماء اہل سنت کے درمیان شہرہ آفاق ہے یہاں تک کہ اسے اپنے اعتقادات میں شمار کیا گیا ہے۔[3] پھر فرماتے ہیں
آپ نے جان لیا کہ حضرت مہدی کا وجود، ان کا آخری زمانے میں ظہور فرمانا اور اولاد فاطمہ سے ہونا روایتوں میں حد تواتر معنوی تک پہنچا ہوا ہے جس سے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بہت سی صحیح اور مشہور روایات یہ (امر تواتر معنوی) تک پہنچ گیا ہے کہ قیامت سے پہلے سی بڑی بڑی علامات ظاہر ہوں گی انہی میں ایک، بلکہ پہلی علامت ”ظہور حضرت مہدی“ ہے، وہ آخری زمانے میں ظہور فرمائیں گے، وہ اولاد فاطمہؑ سے ہوں گے اور زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی[4]۔
یہاں تک یہ معلوم ہوا کہ ان کے وجود کے بارے میں مسلمان متفق ہیں اگرچہ اس بات میں اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف ہے کہ آیا وہ پیدا ہو چکے ہیں یا نہیں!
اہل سنت کے مطابق امام مہدیؑ کی ولادت ابھی نہیں ہوئی اور یہ پیدائش آخری زمانے میں قیامت سے کچھ پہلے ہوگی۔ البتہ ان کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراءؑ اور حضرت علیؑ کی نسل سے ہوگا۔ ان کا نام محمدؑ ہوگا۔ اور کنیت حضرت محمدؐ کی طرح ابو القاسم ہوگی۔

---

[1]۔ نظم المتناثر، ص ۲۲۵ سے ۲۲۸۔ ح ۲۸۹
[2]۔ الاذاعہ بما کان ومایکون بین یدی الساعۃ، ص ۱۳۶
[3]۔ لوامع الانوار البھیہ، ص ۷۳
[4]۔ لوامع انور البھیۃ، ص ۸۳

لیکن اہل تشیع کے عقائد کے مطابق وہ ۱۵شعبان ۲۵۶ہجری کو سامراء (موجودہ عراق) میں پیدا ہوئے ہیں اور حسن بن علی عسکری کے بیٹے ہیں اور والدہ کا نام نرجس یا ملیکہ تھا جو قیصرِ روم کی نسل سے تھیں۔ ان کی پیدائش سے پہلے حاکم وقت نے ان کے قتل کا حکم دیا تھا اس لیے ان کی پیدائش کا زیادہ چرچا نہیں کیا گیا۔ حاکم وقت نے ان احادیث کو سن رکھا تھا کہ اہل بیتؑ سے بارہ امام ہوں گے جن میں سے آخری امام مہدیؑ ہوں گے جو حکومت قائم کریں گے۔

آپؑ پانچ سال کی عمر میں غیبت میں چلے گئے مگر اپنے نائبین کے ساتھ رابطہ رکھا۔ اس مدت کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ غیبتِ صغریٰ کے دوران وہ اپنے معاملات اپنے نائبین (عثمان بن سعیدؒ، محمد بن عثمانؒ، حسین بن روح نوبختیؒ اور علی بن محمد سمریؒ) کے ذریعے چلاتے رہے یہ ۲۵۵ھ سے ۳۲۹ھ تک کا زمانہ ہے۔ بعد میں وہ مکمل طور پر غیبت میں چلے گئے جسے غیبت کبریٰ کہتے ہیں اس دوران میں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور ان کا ظہور حدیث کے مطابق آخر الزمان یا قیامت کے قریب ہوگا۔ تب تک نیک علمائے کرام اور مراجع عظام لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

### امام مھدیؑ کے ظہور کی علامات

حضرت امام مہدیؑ کے ظہور کی بے شمار علامات فریقین (اہل سنت اور اہل تشیع) کی کتب میں ملتی ہیں ان علامات میں سے کچھ حتمی ہیں اور کچھ غیر حتمی۔ حتمی علامات سے مراد وہ علامات ہیں جن کا روایت کے مطابق پورا ہونا ضروری ہے۔ کچھ ان کے ظہور سے کافی پہلے وقوع پذیر ہوں گی اور کچھ ظہور کے نزدیک۔ یہاں ان میں سے کچھ درج کی جاتی ہیں۔

سب سے مشہور علامت دجال کا خروج ہے۔ جسے مغربی مفکرین ضد مسیح کہتے ہیں۔ یہ ذکر تورات میں بھی ملتا ہے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ یعنی زمین کی گردش میں فرق واقع ہونا۔ قواعد علم نجوم و فلکیات کے برخلاف رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن اور پندرہ کو سورج گرہن لگے گا۔ سفیانی کا خروج۔ یہ ابوسفیان کی اولاد سے ایک شخص ہوگا اور ماں کی طرف سے بنو کلب سے ہوگا۔ جو بے شمار لوگوں کو قتل کرے گا۔ اس کا پورا لشکر بیداء کے مقام پر زمین میں دھنس جائے گا۔ بیداء مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک جگہ ہے۔ مشرق کی طرف سے ایک عظیم آگ کا تین یا سات روز تک جاری رہنا۔ بغداد اور بصرہ کا تباہ ہونا۔ اور عراق پر روپے اور غلہ کی پابندی لگنا۔

حضرت امام مہدیؑ کا ظہور مکہ مکرمہ سے ہوگا اور لوگ رکن و مقام ابراہیم کے درمیان میں ان سے بیعت کریں گے۔ حضرت عیسیٰ کا ظہور جو امام مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ دجال کا قتل اور بیت المقدس کی فتح۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں "شیعہ و سنی کی ایک بڑی جماعت امام مہدیؑ کی آمد یا پیدائش کی قائل ہے وہیں معاصر علما میں سے ایک تعداد آپؑ کے وجود یا آمد کو تسلیم نہیں کرتی، بلکہ ان کے خیال میں اسلامی منابع میں یہ حدیثیں دراصل اسرائیلی روایات میں سے آئی ہیں۔ مثلاً عراق کے گیارہ امامی عالم احمد الکاتب کے نزدیک وجود حضرت مہدیؑ اور ان کی آمد ثابت ہی نہیں۔ چنانچہ اس نے اس موضوع پر پانچ کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ اس سے قبل ایران کے مجتہد سید ابوالفضل برقعی قمی نے شیعہ کتاب حدیث بحار الانوار جلد نمبر ۵۱، ۵۲ اور ۵۳ میں موجودہ روایات پر تحقیق کرکے ایک کتاب "بررسی علمی در احادیث مہدی" لکھی" جس میں بحار الانوار کی تینوں جلدوں میں موجود

روایات کا سند و متن کے لحاظ سے رد کیا گیا۔ یہی روش پاکستان کے عالم سید علی شرف الدین موسوی نے اپنائی اور شیعہ و سنی دونوں کتب میں موجود روایات حضرت امام مہدیؑ پر تحقیق کی اور اپنی کتاب "باطنیہ" کے حصہ دوم میں کئی سو صفحات پر اس کا رد کیا ہے۔

ایران میں معاصر عالم سید مصطفیٰ حسینی طباطبائی کے نزدیک بھی حضرت مہدیؑ کے متعلق روایات قابل اعتبار نہیں۔ عبد اللہ آل محمود قطر کے سلفی عالم نے ایک کتاب التحقیق المعتبر فی أحادیث المہدی المنتظر لکھی، جس میں حضرت مہدیؑ کے متعلق تمام احادیث کا جائزہ لیا اور نتیجہ اخذ کیا کہ امام مہدیؑ کے متعلق ایک بھی قابل اعتبار روایت نہیں اسی لیے بخاری مسلم نے یہ روایات قبول نہیں کیں۔ علامہ البانی نے اس رسالہ کے رد کرتے ہوئے ایک تحریر لکھی تھی، علی گڑھ کے ایک شخص راشد شاز در بھنگوی نے بھی حضرت مہدیؑ کی آمد کا انکار کیا ہے جس کی وجہ سے معروف مسلم اداروں نے اسے ضال و مضل قرار دیا۔

**امام مھدیؑ مسئلہ امامت**

امام مھدیؑ کی امامت کے سلسلہ میں فریقین کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے اہل سنت آپؑ کی امامت کے قائل نہیں جبکہ شیعہ حضرات امام مھدیؑ کی امامت کے قائل ہیں۔

آپؑ کی امامت حضور ﷺ کی متعدد احادیث کے علاوہ اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس کو اہل سنت نے بھی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے "**من مات بغیر إمام مات میتة جاہلیة**"[1] جو شخص بغیر امام کے مر جائے اس کی موت جاہلیت (یعنی کفر کی) موت ہوگی ظاہر ہے کہ اگر اس دنیا کو ظلم و جور سے نجات دے کر پوری دنیا پر اسلام کو غالب کرنے والا ہی امام نہ ہوگا تو پھر کون ہوگا اگر امام مھدیؑ امام نہ ہونگے تو اور اس زمانہ میں مذکورہ بالا حدیث کا مصداق کون ہوگا؟ ہمارے عقیدے کے مطابق امام مھدیؑ ہی رسول خدا ﷺ کے اس ارشاد کے اتم مصداق ہیں اس کے علاوہ حضور ﷺ کی یہ حدیث **لَا یَزَالُ هٰذَا الدِّینُ قَائِمًا حتی یَکُونَ عَلَیْکُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِیفَةً**۔

**امام مھدیؑ کی خلافت کی دلیل ہے**

شیعہ کتب میں متعدد احادیث سے آپؑ کی امامت و خلافت بہت واضح و آشکار ہے۔ مثال کے طور پر حضرت امام علی بن موسی الرضاؑ نے شرائع دین سے متعلق، مامون کو جو خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے "**وإن الارض لا تخلو من حجة اللّٰه تعالی علی خلقه فی کل عصر وأوان و إنهم العروة الوثقی**" یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: "**ومن مات ولم یعرفهم مات میتة جاہلیة**"[2] اب جب کہ اکمالِ دین واتمامِ نعمت ہدایت میں ایسی شخصیت کے وجود کی تاثیر واضح ہو چکی، اگر اس کی عدم موجودگی سے خدا اپنے دین کو ناقص رکھے تو اس عمل کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ ایسی شخصیت کا وجود ناممکن ہو یا خدا اس پر قادر نہیں اور یا پھر خدا حکیم نہیں ہے اور ان تینوں کے واضح بطلان سے امام کے وجود کی ضرورت ثابت ہے۔

---

[1] ۔ مسند الشامیین، ج ۲، ص ۴۳۷، ا لمعجم الکبیر، ج ۱۹، ص ۳۸۸۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۹۶

[2] ۔ عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۲، ص ۱۲۲

حدیث ثقلین جس پر فریقین کا اتفاق ہے، ایسی شخصیت کے وجود کی دلیل ہے جو قرآن سے اور قرآن جس سے، ہرگز جدا نہ ہوں گے اور چونکہ مخلوق پر خدا کی حجت، حجت بالغہ ہے، ابن حجر ہیثمی جن کا شیعوں کی نسبت بغض وعناد اور تعصب ڈھکا چھپا نہیں، لیکن وہ بھی کہتے ہیں: ''والحاصل أن الحث وقع علی التمسک بالکتاب وبالسنة وبالعلماء بهما من أهل البیت ویستفاد من مجموع ذلک بقاء الأمور الثلاثه إلی قیام الساعة. ثم اعلم أن لحدیث التمسک بذلک طرقاً کثیرةً وردت عن نیف وعشرین صحابیا''[1] حدیث ثقلین کے مطابق، جسے بیس سے زیادہ اصحاب نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے، پوری امت کو کتاب، سنت اور علماء اہل بیت سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے اور ان سب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ تینوں قیامت کے دن تک باقی رہیں گے۔

مذہب حق یہی ہے کہ قرآن کے ہمراہ اہل بیت علیہم السلام سے ایسے عالم کا ہونا ضروری ہے جو قرآن میں موجود تمام علوم سے واقف ہو، کیوں کہ پوری امت مسلمہ کو، بغیر کسی استثناء کے، کتاب، سنت اور اس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اور ہر ایک کی ہدایت کا دارومدار اسی تمسک پر ہے۔

روائی نقطہ نگاہ سے بارہویں امامؑ کے متعلق شیعوں کا اعتقاد اور آپؑ کا ظہور معصومین علیہم السلام سے روایت شدہ متواتر نصوص سے ثابت ہے، جو اثبات امامت کے طریقوں میں سے ایک ہے۔

**قرآن میں امام مھدیؑ کی حکومت کا ذکر**

قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں، جنہیں شیعہ و سنی کتب میں امام مہدیؑ کی حکومت کے ظہور سے تفسیر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ''هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَه بِالْهُدیٰ وَدِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه عَلَی الدِّینِ کُلِّه وَلَو کَرِهَ الْمُشْرِکُونَ''[2]

ابو عبد اللہ گنجی اپنی کتاب ''البیان فی اخبار صاحب الزمانؑ'' میں کہتے ہیں کہ: ''... بالتحقیق، مہدی کی بقا کا تذکرہ قرآن و سنت میں ہوا ہے۔ قرآن میں یوں کہ سعید بن جبیر قرآن میں خداوند متعال کے اس فرمان: ''لِیُظْهِرَه عَلَی الدِّینِ کُلِّه وَلَو کَرِهَ الْمُشْرِکُونَ'' کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''هو المهدی من عترة فاطمه علیها السلام''[3]

۲۔ ''الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنْفِقُونَ۔''[4] فخر رازی کا بیان ہے: ''بعض شیعوں کے عقیدے کے مطابق غیب سے مراد مہدی منتظرؑ ہے، کہ جس کا وعدہ خدا نے قرآن اور حدیث میں کیا ہے۔

---

[1] ۔ صواعق محرقہ، ص ۱۵۰

[2] ۔ سورہ توبہ، آیت ۳۳

[3] ۔ البیان فی اخبار صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف، ص ۵۲۸ (بحوالہ کتاب کفایۃ الطالب)

[4] ۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۔

قرآن میں یہ کہہ کر ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ '' اور حدیث میں قول پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے مطابق ''لو لم يبق من الدنيا إلا يوم واحد لطول الله ذلک اليوم حتى يخرج رجل من أهل بيتي يواطى اسمه اسمى وكنيته كنيتى. يملأ الأرض عدلا وقسطا كما ملئت جورا وظلما۔''[1] ،اس کے بعد یہ اشکال کرتا ہے کہ بغیر دلیل کے مطلق کو تخصیص دینا باطل ہے۔''[۲]
فخر رازی نے، حضرت مہدی موعودؑ کے بارے میں قرآن وحدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلالت کو تسلیم کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیب میں شمولیت کے اعتراف کے بعد، یہ سمجھا ہے کہ شیعہ، غیب کو فقط حضرت مہدیؑ سے اختصاص دینے کے قائل ہیں، جب کہ فخر رازی اس بات سے غافل ہے کہ شیعہ امام مہدیؑ کو مصادیق غیب میں سے ایک مصداق مانتے ہیں۔
۳۔ ''وَإِنَّه لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۔ ''[3] ابن حجر کے بقول: ''مقاتل بن سلیمان اور اس کے پیروکار مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت مہدی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''[۴]
۴۔ ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَّعْبُدُوْنَنِى لَايُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئاً وَّمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔''[5] اس آیت کو امام مہدیؑ اور آپ کی حکومت سے تفسیر کیا گیا ہے۔[۶]
۵۔ ''إِنْ نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ''[7] اس آیت میں لفظ ''آیۃ'' کی تفسیر، حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت دی جانے والی ندا کو بتلایا گیا ہے، جسے تمام اہل زمین سنیں گے اور وہ ندا یہ ہوگی: ''ألا إن حجة الله قد ظهر عند بيت الله فاتبعوه فإن الحق معه وفيه''[8]
۶۔ ''وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ''[9]

---

[۱]۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۔

[۲]۔ تفسیر کبیر، فخر رازی، ج۲، ص ۲۸

[۳]۔ سورۂ زخرف، آیت ۶۱

[۴]۔ صواعق محرقہ، ص ۱۶۲

[۵]۔ سورۂ نور، آیت ۵۵۔

[۶]۔ تفسیر کبیر، فخر رازی، ج۲، ص ۲۸۔ غیبۃ نعمانی، شیخ طوسی، ص ۱۷۷؛ تفسیر القمی، ج۱، ص ۱۴، اور دیگر منابع

[۷]۔ سورۂ شعراء، آیت ۴

[۸]۔ ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۲۹۷

[۹]۔ سورۂ قصص، آیت ۵۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: "یہ دنیا منہ زوری دکھانے کے بعد پھر ہماری طرف جھکے گی جس طرح کاٹنے والی اونٹنی اپنے بچے کی طرف جھکتی ہے۔ "اس کے بعد مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔[1]

۷۔ "وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي الزَّبُوۡرِ مِنۡ بَعۡدِ الذِّكۡرِ أَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوۡنَ"[2] اس آیت کو امام مہدیؑ اور آپؑ کے اصحاب کے بارے میں تفسیر کیا گیا ہے۔[3]

**امام مهدی علیہ السلام کی خصوصیات:**

ہم یہاں پر شیعہ اور سنی کتب میں مذکور چند خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ نماز جماعت میں عیسیٰؑ بن مریمؑ کی نسبت تقدم: نماز جماعت میں افضل ہی کو تقدم حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ یہ مطلب سنی اور شیعہ روایات میں ذکر ہوا ہے: **امام القوم وافدهم فقدموا أفضلكم**۔[4] آپؑ کے ظہور اور حکومت حقہ کے قیام کے وقت عیسیٰ بن مریمؑ آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور سنی اور شیعہ روایات کے مطابق آپؑ کی امامت میں نماز ادا کریں گے۔[5]

۲۔ "خلیفۃ اللہ" ہونا سنی اور شیعہ روایات میں آپؑ کو خلیفۃ اللہ کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے: **يخرج المهدي وعلى رأسه غمامة فيها مناد ينادي: هذا المهدي خليفة الله فاتبعوه**۔[6] اللہ جیسے مقدس اسم کی طرف اضافے کا تقاضا یہ ہے کہ آپؑ کا وجود تمام اسماء حسنی کی آیت ہے۔

۳۔ اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق آپ کے اصحاب کا ہونا: آپؑ کے مقام کی عظمت و بلندی آپ کے اصحاب کے مقام و منزلت سے روشن ہوتی ہے، جس کا ایک نمونہ روایات اہل تشیع میں یہ ہے کہ: "آپؑ کے اصحاب کی مقدار، اہل بدر کی تعداد کے برابر ہے۔[7] اور ان پر ایسی تلواریں ہیں کہ ہر تلوار پر ایک کلمہ لکھا ہوا ہے جو ہزار کلمات کی کنجی ہے۔[8] اور روایات اہل سنت میں بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ایک صحیح روایت کا کچھ مربوط حصہ، جسے حاکم نیشاپوری نے مستدرک اور ذہبی نے تلخیص میں نقل کیا ہے جو ان کے اصحاب کی

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، شمارہ ۲۰۹، از حکمت امیر المومنین علیہ السلام۔

[2] ۔ سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۵

[3] ۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۴۷، نمبر ۶۔

[4] ۔ "ہر قوم کا امام وہ ہوتا ہے جو سب سے پہلے خدا پر وارد ہوتا ہے تو تم لوگ بھی افضل کو آگے کرو"۔ بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، ص ۵۶، نمبر ۱۳۹۔ وسائل الشیعہ، کتاب الصلاۃ، ابواب الجماعۃ، باب ۲۶، ج ۸، ص ۳۴۷

[5] ۔ الصواعق المحرقہ، ص ۱۶۴، فتح الباری، ج ۶، ص ۳۵۸، اور اسی کے مشابہ صحیح بخاری، ج ۴، ص ۱۴۳؛ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۴؛ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۶۱؛ عقد الدرر، دسواں حصہ، اور اہل سنت کی دوسری کتابیں۔ الغیبۃ نعمانی، ص ۷۵۔ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۲۷۲ اور شیعوں کی دوسری کتابیں

[6] ۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۸۱۔ "مہدی اس حال میں خروج کرے گا کہ اس کے سر پر ایک ابر ہوگا جس میں ایک منادی ندا دے گا یہ مہدی ہے جو خدا کا خلیفہ ہے بس اس کی اتباع کرو"۔ عنوان خلیفۃ اللہ مستدرک صحیحین، ج ۴، ص ۴۶۴ میں سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۶۷ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۲۷۷ نور الابصار، ص ۱۸۸۔ عقد الدرر الباب الخامس، ص ۱۲۵ اور دوسری کتابوں میں آیا ہے۔

[7] ۔ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۵۷

[8] ۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۲۸۶

خوصوصیات کو اس طرح بیان کرتا ہے: لا يستوحشون إلى أحد ولا يفرحون بأحد يدخل فيهم على عدة أصحاب بدر لم يسبقهم الأولون ولا يدركهم الآخرون وعلى عدة أصحاب طالوت الذين جاوزوا معه النهر۔ [1]

۴۔ ختم امامت: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مہدیؑ میں خاتمیت کی مشترکہ خصوصیت اس بات کی متقاضی ہے کہ جس طرح نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی اسی طرح امامت حضرت مہدیؑ پر ختم ہوگی۔ نیز کار دین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے ہوا اور اختتام حضرت مہدیؑ کے ہاتھوں ہوگا۔

اسی نکتے کی جانب شیعہ اور سنی روایات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: المهدی منا يختم الدين بنا كما فتح بنا۔ [2] آپؑ میں خاتم کی جسمانی، روحانی اور اسمی تمام خصوصیات جلوہ گر ہیں۔

**انتظار فرج افضل ترین عبادت:**

امام مھدی علیہ السلام کے انتظار کو پیغمبر اکرمؐ نے افضل عبادت بتایا ہے: "أفضلُ العبادةِ إنتظارالفَرَج" یعنی انتظار فرج بہترین عبادت ہے۔ [۳]

مولائے متقیان حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: انتظروا الفَرَج ولا تياسوا من روح الله، فان احب الاعمال الى الله عزوجل انتظار الفَرَج۔ [4] فَرَج اور فراخی کے منتظر رہو اور خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ کیونکہ خداوند عزّوجلّ کے نزدیک محبوبترین اور پسندیدہ ترین عمل انتظارِ فَرَج ہے۔

-حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: انتظار الفَرَج من اعظم الفَرَج۔ [۵] فَرَج و فراخی کا انتظار خود عظیم ترین فراخی ہے۔ نیز صادق آل محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سلسلہ میں فرمایا: من مات منتظرا لهذا الامر كان كمن كان مع القائم في فسطاطه، لا بل كان بمنزلة الضارب بين يدي رسول الله (ص) بالسيف۔ [6] جو شخص اس امر (یعنی ظہور امام مہدیؑ) کا انتظار کرتا ہوا مر جائے، وہ اس شخص کی مانند ہے جو حضرت قائم (عج) کے ساتھ آپؑ کے خیمے میں حاضر ہو؛ نہیں بلکہ [اس سے بھی بالاتر] وہ اس شخص کی مانند ہے، جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں فریضۂ جہاد انجام دیتا ہے۔

---

[۱]۔ مستدرک صحیحین، ج ۴، ص ۵۵۴ (ان کو خوف نہیں کہ کسی سے مدد حاصل کریں اور نہ کسی سے خوش ہوتے ہیں کہ ان میں داخل ہو جائیں ان کی تعداد اصحاب بدر کے برابر ہیں نہ ان سے کوئی سبقت لے پایا ہے اور نہ ہوئی ان تک پہونچ سکتا ہے ان کی تعداد طالوت کے اس لشکر کے جتنی ہے جس نے طالوت کے ساتھ نھر کو پار کیا تھا۔

[۲]۔ صواعق محرقہ، ص ۱۶۳۔ اسی مضمون سے ملتی ہوئی عبارت المعجم الاوسط میں، ج۱، ص ۵۶ میں ہے۔ عقد الدرر الباب السابع، ص ۱۴۵، اور اھل سنت کی دوسری کتابیں۔ بحار الانوار، ۵۱، ص ۹۳ اور شیعوں کی دوسری کتابیں میں آیا ہے۔

[۳]۔ بحار الانوار، جلد ۱۳، صفحہ ۱۳۷۹

[۴]۔ بحار الانوار ۵۲/۱۲۴۳/۷.

[۵]۔ وحی حوالہ ص ۴/۱۲۲

[۶]۔ بحار الانور: ص ۶۹/۱۴۶

# مفلسی اور غربت کو ختم کرنے کے لئے اسلامی تجاویز

علی عباس حمیدی

اشارہ

غربت یا فقر کی اصطلاح کا ذکر عام طور پر کسی انسان یا معاشرے کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے پس منظر میں کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ بھی غربت کا لفظ مختلف اوقات مختلف معنوں میں آتا ہے۔ اس مضمون میں جس غربت کے ختم کرنے کی تجاویز کا جائزہ لیا جائے گا وہ کسی معاشرے یا انسان کی مادی ضروریات کی کمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام میں مفلسی اور غربت کو ختم کرنے کے لئے کئی اہم تجاویز پیش کی گئی ہیں یہ تجاویز نہ صرف افراد کو فلاح کی طرف رہنمائی کرتی ہیں بلکہ پورے معاشرے میں انصاف اور مساوات کو بھی فروغ دیتی ہیں۔

**۱۔ محنت اور خود کفالت**

اسلام محنت اور کسب رزق کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ افراد کو اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے محنت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی شخص جو محنت کے ذریعے رزق کماتا ہے، وہ اللہ کے قریب ہے۔ "**خود کفالت** اور **مشترکہ کاروباری منصوبے** غربت کے خاتمے میں مدد فراہم کر سکتے ہیں۔ اسلام میں بے روزگاری کو رد کیا گیا ہے اور کام کو ایک مقدس چیز کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اور خداوند عالم مزدوروں سے محبت کرتا ہے جیسا کہ حضرت علی (ع) اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْتَرِفَ الْأَمِينَ خدا ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جس کا کوئی پیشہ ہو اور وہ اس میں مصروف ہو اور امانت دار ہو۔[1] اور امام صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص اپنی جان کو مشقت میں ڈالے وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا شمار ہوتا ہے۔[2] رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے جو اپنی ضروریات کا بوجھ لوگوں کے کندھوں پر ڈالتا ہے۔[3] جہاں محنت کی ترغیب ہے وہیں سستی اور کاہلی پر مبنی بیکاری کی بھی نفی وارد ہوئی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بیانات میں ملتا ہے: إِنَّ الأَشياءَ لَمّا ازدَوَجَتْ ازدَوَجَ الكَسَلُ و العَجزُ فَنَتجا بَينَهُما الفَقرَ. جب چیزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا بنایا گیا تو سستی اور کمزوری کو باہم ملا دیا گیا اور ان سے غربت نے جنم لیا۔ مِن سَبَبِ

---

۱ حرّ عاملی، ۱۳۹۱ق. وسائل الشیعہ: ۱۲، ۱۳، ۱۴

۲ کلینی، ۱۳۸۸ق. کافی: ۱، ۵ و ۸۸

۳ کلینی، ۱۳۸۸ق. کافی: ۵، ۷ و ۷۲

الحرمانِ التّوانی. محرومیت کی ایک وجہ سستی ہے آفۃُ النُّجحِ الکَسَلُ. کامیابی کی آفت سستی ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں مگر طوالت کے مد نظر ان کے ذکر سے پرہیز کیا گیا ہے۔[1]

**۲- فضول خرچی اور لالچ سے بچنا**

اسلام نے غربت کے خاتمے کے لیے لالچ، عیش و آرام کی خواہش، اور فضول خرچی سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ **اسلام میں سادہ زندگی** گزارنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ فرد زیادہ محنت کر کے اپنے وسائل کو درست طریقے سے استعمال کرے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: إنَّ مَعَ الإِسرافِ قِلَّةَ البَرَكَةِ[2]. اسراف سے برکت کم ہو جاتی ہے۔ برکت کا خاتمہ ہی فقر و غربت کا آغاز ہے لہذا اس سے پرہیز ہی غربت کا علاج ہے۔

**قرآن میں فضول خرچی کی مذمت:**

**فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں:** فرمان الٰہی ہے "إِنَّ ٱلۡمُبَذِّرِينَ كَانُوٓاْ إِخۡوَٰنَ ٱلشَّيَٰطِينِۖ وَكَانَ ٱلشَّيۡطَٰنُ لِرَبِّهِۦ كَفُورٗا" بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔[3] اس آیت میں فضول خرچ لوگوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے کیونکہ یہ عمل ناشکری اور بے اعتدالی کا مظہر ہے۔

**اعتدال کا حکم:** اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَٱلَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُواْ لَمۡ يُسۡرِفُواْ وَلَمۡ يَقۡتُرُواْ وَكَانَ بَيۡنَ ذَٰلِكَ قَوَامٗا"[4] اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ اس آیت میں اللہ نے ایک متوازن رویہ اپنانے کا حکم دیا ہے، جس سے فضول خرچی اور بخل دونوں سے بچا جا سکتا ہے اور غربت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

**فضول خرچی کے نقصانات:**

**وسائل کا ضیاع:** فضول خرچی سے وسائل غیر ضروری طور پر ختم ہو جاتے ہیں، جو کہ انسان اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے۔

**معاشرتی عدم مساوات:** فضول خرچی کرنے والے افراد عموماً ضرورت مندوں کی ضروریات کو نظرانداز کرتے ہیں، جس سے معاشرتی ناانصافی پیدا ہوتی ہے۔

---

۱ میزان الحکمہ کی دسویں جلد ملاحظہ ہو

۲ الکافی: ۳/۵۵/۴عن ابن أبي يعفور و يوسف بن عمار (ج).

۳ سورۃ الإسراء: ۲۷

۴ سورۃ الفرقان: ۶۷

**شکر گزاری کی کمی** :فضول خرچ شخص نعمتوں کی قدر نہیں کرتا، جو کہ ناشکری کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن ہمیں سکھاتا ہے کہ اپنے وسائل کو دانشمندی سے استعمال کریں، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اعتدال کا راستہ اپنائیں۔ فضول خرچی سے بچنا نہ صرف دین کا حکم ہے بلکہ یہ معاشی اور سماجی بہتری کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس کی مخالفت سے غربت پنپتی ہے اور اس سے دوری اختیار کرنے پر غربت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

### ۳- تعلیم کا فروغ

اسلام میں علم کا حصول بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ معاشی ترقی کے لئے تعلیم کو فروغ دینا ضروری ہے، کیونکہ تعلیم انسان کو خود کفیل بناتی ہے اور اس کے ذریعے وہ بہتر روزگار حاصل کر سکتا ہے۔

**تعلیمی ادارے اور مفت تعلیم** فراہم کرنا غربت کو کم کرنے کا ایک بہت مؤثر ذریعہ ہے۔ تقریباً ایک ارب لوگ اکیسویں صدی میں اس طرح داخل ہوئے کہ وہ نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتے ہیں اور نہ دستخط کر سکتے ہیں۔ اگر دنیا بھر کے ممالک اپنے دفاعی بجٹ کا صرف ایک فیصد تعلیم پر خرچ کرتے تو ۲۰۰۰ء تک ہر بچے کے لیے اسکول جانا ممکن ہو جاتا جو نہ ہو سکا۔

### ۴- زکات اور صدقات

اسلام میں زکات کی فرضیت ایک بہت اہم ذریعہ ہے جو غربت کا خاتمہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر صاحب نصاب مسلمان پر سالانہ مال کا ایک مخصوص حصہ مستحق افراد کو دینا فرض ہے۔ اس سے معاشرے کے غریب اور محتاج افراد کو مالی امداد ملتی ہے اور دولت کا توازن بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح صدقات اور دیگر امداد بھی اہم ہیں، جو فرد کی نیک نیتی سے کسی بھی انسان کو مالی یا روحانی مدد فراہم کرتی ہیں۔ امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ما اقبَحَ بالرَّجُلِ ان یُسألَ الشیءَ فیَقولَ :لا. سب سے بری بات یہ ہے کہ کوئی انسان کچھ مانگے اور وہ منع کر دے۔

امام صادق علیہ السلام: إنّ اللهَ تعالی خَلَقَ الخَلقَ كُلَّهُم فَعَلِمَ صَغيرَهم و كَبيرَهم ، و عَلِمَ غَنِيَّهُم و فَقِيرَهُم ، فَجَعَلَ مِن كُلِّ ألفِ إنسانٍ خَمسَةً و عِشرينَ مِسكِينا ، فلَو عَلِمَ أنّ ذلكَ لا يَسَعُهُم لَزادَهُم ، لأنّهُ خالِقُهُم و هُو أعلَمُ بِهِم.[1]

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو خلق کیا اور وہ چھوٹے بڑے، امیر و غریب سب کو جانتا ہے، اس نے ہزار آدمیوں میں سے پچیس غریب بنا دیے، اگر اس سے زیادہ کی گنجائش ہوتی تو وہ اور بڑھاتا، کیونکہ وہ ان کا خالق ہے اور وہ ان کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔

---

[1] علل الشرائع:۳۶۹/۱.

دوسری جگہ آپ نے فرمایا: إنّما وُضِعَتِ الزّكاةُ إختِبارا للأغنِياءِ و مَعُونَةً لِلفُقَراءِ، ولَو أنَّ النّاسَ أدّوا زكاةَ أموالِهِم ما بَقِيَ مسلمٌ فَقيرا مُحتاجا، و لاَستَغنى بما فَرَضَ اللهُ عزّ و جلّ لَهُ، و إنّ النّاسَ ما افتَقَرُوا، ولا احتاجُوا، ولا جاعُوا، ولا عَرُوا إلاّ بِذُنوبِ الأغنياءِ۔[1]

زکوٰۃ صرف امیروں کی آزمائش اور غریبوں کی امداد کے طور پر قائم کی گئی تھی، اور اگر لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دیتے تو کوئی مسلمان غریب، محتاج نہ رہتا، اور وہ اس چیز سے مالا مال ہو جاتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فرض کی تھی۔ لوگ غریب، محتاج ، بھوکے اور بے لباس نہیں ہوئے، سوائے امیروں کے گناہ کی وجہ سے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ نے غربت کو دور کرنے کا علاج زکات میں رکھا ہے۔ امام کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: إنّما وُضِعَتِ الزّكاةُ قُوتا للفُقَراءِ و تَوفيرا لأموالِ الأغنياءِ زکوٰۃ کا قیام غریبوں کے پیٹ بھرنے اور امیروں کے پیسہ میں اضافہ کے لیے کیا گیا تھا۔[2]

## ۵- قرض حسنہ

اسلام میں قرض حسنہ (وہ قرض جس میں کوئی سود شامل نہ ہو) دینے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی مشکلات کو حل کر سکیں۔ قرض حسنہ افراد کو اپنی کاروباری سرگرمیوں کو بڑھانے اور معاشی حالت کو مستحکم کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ[3] ایسا کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے پھر وہ اس کو اس کے لیے دگنا کر دے اور اس کے لیے عمدہ بدلہ ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ البقرہ آیت ۲۸۳ میں قرض لینے دینے کے احکام کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ” آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسراء والی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کی جزا دس گنا ہو گی اور قرض دینے کی جزا اٹھارہ گنا ملے گی۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! قرض صدقہ سے افضل کیوں ہے ؟ (تو جبرائیل نے) جواب دیا کہ سائل اس حال میں سوال کرتا ہے کہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے جبکہ قرض لینے والا صرف ضرورت کے وقت ہی قرض مانگتا ہے“۔[4]

تو اس میں قرض لینے والوں کے لئے بھی ایک سبق ہے، نصیحت ہے کہ سوائے اشد مجبوری کے قرض نہ مانگیں ورنہ ان کا شمار بھی صدقہ کھانے والوں میں ہو گا۔

---

۱ کتاب من لایحضرہ الفقیہ: ۱۵۷۹/۷/۲۔

۲ علل الشرائع: ۱/۳۶۸۔

۳ سورہ حدید: ۱۱

۴ سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب القرض۔

### ۶- خاندانی ذمہ داری اور تعاون

اسلام میں خاندان کے افراد کے درمیان تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ افراد کو چاہئے کہ وہ اپنے خاندان کے ہر فرد کی ضروریات کا خیال رکھیں اور مشترکہ کوششوں سے مسائل حل کریں۔ مالی تعاون اور مفاہمت سے غربت کے اثرات کم ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی روشن تعلیمات سے دور ہو کر ہمارا طرز زندگی، ہمارا طرز معاشرت بہت عجیب سا ہو گیا ہے، بے حسی تو آج کے معاشرے کا معمول بنتی جا رہی ہے، ہمیں اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں، ضرورت مندوں کے دکھ درد کا احساس ہی نہیں ہے۔ ہم خود تو پیٹ بھر کر کھاتے ہیں لیکن برابر میں رہنے والے بھوکے پڑوسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس کے بچے روٹی کو ترستے ہیں اور ہم اپنے بچے پر ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں۔ ہمیں اس بے حسی اور بے جا اسراف پر شرمندگی بھی نہیں ہوتی۔ ہمیں فلاح انسانیت کے لئے اپنا طرز زندگی بدلنا ہو گا۔

"سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے خاندان پر خرچ کیا جائے۔"

**خاندان میں تعاون کے عملی مظاہر:**

۱. **مالی امداد:** اگر خاندان کے کسی فرد کو مالی مشکلات کا سامنا ہو، تو دوسروں کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔

۲. **مشکل وقت میں ساتھ دینا:** بیماری، پریشانی، یا کسی آزمائش کے وقت خاندان کے افراد کو ایک دوسرے کا سہارا بننا چاہیے۔

۳. **روزمرہ کے کاموں میں حصہ لینا:** گھریلو کاموں میں تعاون اور بچوں کی تربیت میں حصہ لینا اسلامی اصولوں کا حصہ ہے۔

۴. **مشورہ اور رہنمائی:** خاندان کے افراد کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے معاملات میں مشورہ دیں اور بہتر فیصلے کرنے میں مدد کریں۔

### ۷- عدالت اور انصاف کا نظام

اسلام میں عدلیہ اور انصاف کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ایک انصاف پسند معاشرہ غریبوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں استحصال سے بچاتا ہے۔ مساوات اور انصاف کا تاثر معاشرتی خوشحالی کو بڑھاتا ہے اور غربت کو کم کرتا ہے۔

### ۸- نکاح

اسلامی تعلیمات میں نکاح بھی ان اسباب میں سے ایک ہے جن سے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[۱] بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان نکاح کے بعد احساس ذمہ داری کی وجہ سے پوری طرح محنت کرنے لگتا

---

[۱] سورہ نور/۳۲

ہے جو پہلے نہیں کرتا۔ کبھی بیوی اس کے کسب معاش کے سلسلہ میں اس کی مدد و معاون بن جاتی ہے۔ کبھی بیوی کے کنبہ والے اس سلسلہ میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ کبھی مرد کے کئے کمائی اور آمدنی کی ایسی راہیں کھل جاتی ہیں۔ جس کا اسے پہلے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا گویا پیدا ہونے والے بچے اپنا رزق اپنے ساتھ لاتے ہیں جس کا ذریعہ ان کا والد بنتا ہے۔

۹- گناہوں سے پرہیز

اسلامی تعلیمات میں گناہوں کا ارتکاب رزق میں کمی کا سبب اور ترک گناہ، وسعت رزق کا سبب بتایا گیا ہے۔

مَن فَحَشَ عَلى أخيهِ المُسلِمِ ، نَزَعَ اللهُ مِنهُ بَرَكَةَ رِزقِهِ ، و وَكَلَهُ إلى نَفسِهِ،و أفسَدَ عَلَيهِ مَعيشَتَهُ

**تشریح:** "فحش:"اس سے مراد بد تمیزی، بد کلامی، یا کوئی غیر شائستہ اور بے ہودہ بات یا عمل ہے جو دوسرے شخص کے دل کو دکھ پہنچائے۔ یہ رویہ اسلامی اخلاقیات کے خلاف ہے۔ "نَزَعَ اللهُ مِنهُ بَرَكَةَ رِزقِهِ:"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے، اس کے رزق میں اللہ برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ برکت کا مطلب رزق میں کمی نہیں، بلکہ اس میں وہ سکون اور اطمینان ختم ہو جانا ہے جو اللہ کی نعمتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ "وَكَلَهُ إلى نَفسِهِ:"اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس کی اپنی ذات کے حوالے کر دیتا ہے، یعنی وہ اللہ کی مدد اور حفاظت سے محروم ہو جاتا ہے، اور اپنی زندگی کے معاملات میں بے یار و مددگار ہو جاتا ہے۔ "وَأفسَدَ عَلَيهِ مَعيشَتَهُ:"اس شخص کی زندگی مشکلات اور پریشانیوں سے بھر جاتی ہے، اور وہ اپنے معاملات میں سکون اور خوشحالی کو کھو دیتا ہے۔ یہ حدیث اخلاقیات اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کی بہتری کے لیے ایک قیمتی نصیحت پر مشتمل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بد تمیزی، سخت کلامی، یا غیر مناسب رویہ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق سے برکت کو ختم کر دیتا ہے، اسے اس کی اپنی ذات پر چھوڑ دیتا ہے، اور اس کی زندگی کو مشکلات سے بھر دیتا ہے۔

۱۰- فلاحی منصوبے

اسلام انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے لیے جامع ہدایات فراہم کرتا ہے، اور فلاحی کاموں کی ترغیب دینا اس کی ایک اہم تعلیم ہے۔ قرآن کی تعلیمات میں غرباء، مساکین، یتیموں، مسافروں، اور ضرورت مندوں کی مدد کو عبادت اور اجر کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ فلاحی ادارے انہی قرآنی اصولوں کو عملی شکل دینے کے لیے قائم کیے جاتے ہیں۔ فلاحی اداروں کا قیام غربت کے خاتمے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

**قرآن مجید میں فلاحی کاموں کی اہمیت:**

۱. **یتیموں کی کفالت:** قرآن مجید یتیموں کی دیکھ بھال پر خاص زور دیتا ہے اور ان کے حقوق کے تحفظ کو لازمی قرار دیتا ہے": اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔[1]

۲. **ضرورت مندوں کی مدد:** فلاحی اداروں کا بنیادی مقصد ضرورت مندوں کو سہارا دینا ہے۔ قرآن کہتا ہے": اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے[2]۔

۳. **مساوات اور عدل کی تعلیم:** اسلام میں معاشرتی عدل اور مساوات کو برقرار رکھنے کے لیے زکوٰۃ، صدقہ، اور انفاق فی سبیل اللہ کا نظام دیا گیا ہے": جو لوگ اپنے مال کو رات اور دن، خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے[3]

۴. **مسافروں اور بے سہارا افراد کی مدد:** قرآن نے مسافروں اور بے سہارا لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی ہدایت کی ہے": اور رشتہ دار، مسکین، اور مسافر کو ان کا حق دو، اور فضول خرچی نہ کرو[4]

**فلاحی اداروں کے قیام کی قرآنی بنیادیں:**

۱. **زکوٰۃ کا نظام:** زکوٰۃ کا مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم اور محتاجوں کی مدد کرنا ہے۔ فلاحی ادارے زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے غربت کے خاتمے اور ضرورت مندوں کی مدد کے لیے کام کرتے ہیں۔

۲. **صدقہ و خیرات کی اہمیت:** قرآن مجید نے بار بار صدقہ دینے کی ترغیب دی ہے": نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ تم اپنا مال محبت کے ساتھ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلوں پر خرچ کرو[5]

۳. **مشترکہ بھلائی کے کام:** قرآن ہمیں تعاون اور بھلائی کے کاموں میں شراکت کی دعوت دیتا ہے": اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔[6]

---

[1] سورۃ الانعام:۱۵۲

[2] سورۃ الذاریات:۱۹

[3] سورۃ البقرہ:۲۷۴

[4] ۔سورۃ بنی اسرائیل:۲۶

[5] سورۃ البقرہ:۱۷۷

[6] سورۃ المائدہ:۲

**فلاحی اداروں کے کام اور ان کے مقاصد:**

۱. **تعلیم کی فراہمی:** قرآن علم کی طلب کو فرض قرار دیتا ہے۔ فلاحی ادارے غریب بچوں کو تعلیم مہیا کر کے ایک روشن مستقبل کی بنیاد رکھتے ہیں۔

۲. **غربت کا خاتمہ:** صدقہ اور خیرات کے ذریعے غریبوں کو مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔

۳. **صحت کی سہولیات:** بیماروں کا علاج اور صحت کی سہولیات فراہم کرنا قرآن کی انسانیت سے محبت کی تعلیمات کا عملی اظہار ہے۔

۴. **خوراک اور رہائش کی فراہمی:** بھوکوں کو کھانا کھلانا اور بے گھروں کو چھت فراہم کرنا فلاحی کاموں کا حصہ ہے۔ "اور وہ اسے کھانے کی ترغیب دیتے ہیں، چاہے ان کے اپنے پاس تھوڑا ہی ہو"[1]۔

**نتیجہ:** اسلامی تعلیمات میں انسانوں کی فلاح اور خیر کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ غربت کو ختم کرنے کے لئے ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے، جیسے محنت اور خود کفالت، فضول خرچی اور لالچ سے بچنا، تعلیم، زکات و صدقات، قرض حسنہ، خاندانی ذمہ داری اور تعاون، عدالت اور انصاف کے نظام کی فراہمی، نکاح اور گناہوں سے پرہیز اور فلاحی منصوبے، جب ان اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا، تو معاشرے میں مفلسی اور غربت کا خاتمہ ممکن ہو گا۔

---

[1] سورۃ الحشر: ۹

# اعتکاف کی اہمیت اور اس کے شرائط

سید مختار حسین جعفری

قرآن مجید میں سورہء بقرہ آیت نمبر ۱۲۵ میں ارشاد رب العزت ہے؛ **واذ جعلنا البیت مثابة للناس و امنا واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی و عهدنا الی ابراهیم و اسماعیل ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود،** اور اس وقت کو یاد کو جب خدا نے خانہء کعبہ کو لوگوں کے لیے محل رجوع اور امن کا مرکز قرار دیا، آپ مقام ابراہیم کو اپنے لیے عبادت کی خاطر انتخاب کرو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود بجالانے والوں کے لیے پاک کرو،

اعتکاف کی اہمیت کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ اس کا تذکرہ قرآن کریم میں تقریباصراحت کے ساتھ ہوا ہے اور جو حکم دستوری شکل میں قرآن مجید میں آجائے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس کے ضمن میں یہ باریکی بھی قابل توجہ ہے کہ اعتکاف مذکورہ آیت کی روشنی میں عبادت کا ایک ایسا طریقہ ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل کے دور سے متصل ہوتا ہے، تو یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ اعتکاف اگرچہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن بہت سارے واجبات جیسے نماز روزے اور طواف وغیرہ کا نہ صرف ہم پلہ ہے بلکہ ان کے لیے چارہ ساز اور رہگشا ہے۔

اعتکاف کی ماہیت،

اعتکاف کا مادہ علف ہے جس کا مطلب کسی چیز پر دھیان دینا اور اس کی عظمت کے پیش نظر اس کا پابند ہونا ہے یعنی اپنے دل کو یکسو کر کے صرف خدا کے لیے خالص کر دینے کو اعتکاف کہتے ہیں کہ جہاں کسی اور چیز کے تصور کی گنجائش نہیں رہ جاتی صرف اسی کا تصور دل و دماغ پر حاوی ہوجاتا ہے کہ جس کے لیے انسان اعتکاف کا اہتمام کرتا ہے اور اپنے آپ کو مسجد کے گوشہء خلوت میں پہنچاتا ہے،

دین اسلام میں اعتکاف سے مراد عبادت کی خاطر مسجد میں توقف کرنا ہے جو بذات خود ایک مستحب عمل ہے لیکن اگر کوئی نذر مان لے تو واجب ہوجاتا ہے، اعتکاف انسان سازی، کسب روحانیت و معنویت، تصفیہء باطن، اور حصول کیفیت تمرکز اور تحصیل توجہ کا ایک ایسا پر اثر اور مفید و مثمر ثمر طریقہ ہے کہ جس مہارت اور سعادت اگر انسان کو نصیب ہوجائے تو وہ جلوت میں بھی خلوت کا ماحول پیدا کر لیتا ہے اور اس کی مسلسل تمرین کے نتیجے میں انسان وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت پیدا کرنے والی کیفیت کا مالک بن جاتا ہے اس طرح کہ کبھی تو کھلی آنکھوں کے باوجود مشاہدے سے محروم ہوتا ہے لیکن کبھی بند آنکھوں سے کشف و شہود کی تجلیاں اس کے سامنے بکھرنے لگتی ہیں،

پس اس انسان کی زندگی میں جو سیر و سلوک کی راہ پر چل کر اخلاص عمل کی لذت سے آشنا ہونے کی تمنا رکھتا ہو اعتکاف اسی قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جس قدر زندگی کو باقی رکھنے کے لیے انسان کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کی مادی زندگی کی بقا کا تصور شاید غذا کے بغیر ممکن بھی ہو لیکن اس کی باطنی، معنوی اور روحانی زندگی کا تصور اعتکاف اور عبادت کی خاطر خلوت گزینی اور ایسے ماحول کے انتخاب کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ جہاں رشتہء توحید و یکتا پرستی اور خالق محوری کے تار کے ساتھ منسلک اس کی جہد مسلسل کو کوئی روک نہ سکے۔

انسان کا باطن، اس کا ضمیر اور معنوی ارتقاپسندی کی اس کی خو او حجابات ظلمانی کو پارہ کر کے نورانیت تقوی سے متصل ہونے کی تڑپ وغیرہ جیسی کیفیات اس کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ دنیا و مافیہا سے کٹ کر کسی ایسے ماحول میں جائے کہ جہاں کوئی اس کے تدبر و تفکر اور اوراد و اذکار معصومین کی راہ میں حائل نہ ہو سکے، ایک ایسے ہی ماحول میں جا کر بیٹھ جانے کو اعتکاف کہتے ہیں، اور اسی چیز سے اعتکاف کی عظمت و اہمیت بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔ خلوت پسندی، تمرکز ذہنی، نہ ٹوٹنے والے فکری سلسلے کی اہمیت پر جہاں قرآن مجید کی گواہی موجود ہے وہیں روایات میں بھی اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے یہاں ہم نمونے کے طور پر ایک روایت پیش کرتے ہیں؛ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے؛ في التوراة مكتوب يا ابن آدم تفرغ لعبادتي املا قلبك غنى ولا اكلك الى طلبك و على ان اسد فاقتك، توریت میں مرقوم ہے؛ اے فرزند آدم! میری عبادت کے لیے اپنے آپ کو خالی کرو، تاکہ میں تمھیں بے نیازی سے سرشار کر دوں، اور تمھارے طلب کیے بغیر تمھاری حاجت پوری کروں، اور میں خود پر لازم سمجھتا ہوں کہ تمھاری حاجت کو پورا کروں

اقسام اعتکاف:

اعتکاف کی دو قسمیں ہیں؛ ایک قسم وہ ہے کہ جب انسان نے نذر مانی ہو یا عہد کیا ہو یا قسم کھائی ہو کہ وہ اعتکاف کرے گا تو ان چیزوں کی ایفا کی خاطر اس پر اعتکاف واجب ہو جاتا ہے اور اس اعتکاف میں انسان کا روزہ دار ہونا ضروری ہے۔

دوسری قسم اعتکاف مستحب ہے کہ معمولاً جو ماہ رجب یا رمضان المبارک میں ہوتا ہے اس صورت میں اگر انسان تیسرے دن سحر کے وقت تک اعتکاف میں رہے تو اس کو تیسرے دن شام تک پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر اس نے پہلے دو دن کے روزے رکھے ہوں تو تیسرے دن کا روزہ رکھنا واجب ہو گا۔

اعتکاف کے شرائط:

درج ذیل شرائط محرز ہونے کی صورت میں اعتکاف صحیح ہو گا اور ان میں سے اگر کوئی شرط فاقد ہو جائے تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

۱۔ معتکف بالغ اور عاقل ہو، چنانچہ غیر بالغ، مجنون اور دیوانے کا اعتکاف درست نہیں ہو گا

۲۔ قربۃ الی اللہ کی نیت سے اخلاص کے ساتھ اعتکاف بجالائے۔ ریاکاری اور دکھاوے کے لیے اعتکاف قابل قبول نہیں ہوتا۔

۳ ۔اعتکاف تین دن سے کم نہ ہو، لیکن زیادہ کی کوئی قید نہیں ہے، البتہ عرف عام اور معمول کے دائرے میں رہنا چاہیے۔
۴ ۔اعتکاف کو جامع مسجد میں رجا مطلوبیت کی نیت سے بجالایا جائے۔
۵ ۔اعتکاف کرنے والا انتہائی واجب ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نہ جائے، البتہ اگر گواہی دینا ہو یا کسی قرابتدار کے جنازے میں شرکت کرنا ہو تو مقدار ضرورت سے زیادہ مسجد سے باہر نہ رہے۔
۶ ۔اعتکاف کے دوران دن کو روزہ رکھے، البتہ تین دن کے اعتکاف میں اگر دو دن روزہ رکھے تو تیسرے دن کا روزہ واجب ہو جاتا ہے، روزے کا اعتکاف سے مخصوص ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر قضا یا نذر کا روزہ ہو تو اس سے بھی اعتکاف ہو جائے گا۔
۷ ۔اعتکاف کے لیے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، یعنی بیوی شوہر سے اور بیٹا ماں باپ سے اجازت لے کر اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے۔

تذکرات؛

۱ ۔اعتکاف کے بیان میں مزید کچھ عناوین پر بھی بات ہو سکتی ہے لیکن اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔
۲ ۔کچھ خاص شرطوں کے تحت عورتیں بھی اعتکاف کی عبادت سے بہرہ مند ہو سکتی ہیں جن کا ذکر مفصل کتابوں میں موجود ہے چنانچہ وہاں رجوع کیا جاسکتا ہے۔
۳ ۔مقام معظم رہبری کے نزدیک اعتکاف کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں؛ ا۔عقل، ۲۔نیت، ۳۔روزہ، ۴۔مسجد میں ہونا، ۵۔کم سے کم تین دن اعتکاف میں بیٹھنا، ۶۔مسجد میں لگاتار بیٹھنا، ۷۔اعتکاف کے لیے اجازت کا ہونا،
۴ ۔اعتکاف سے ملتی جلتی کچھ ریاضتیں دیگر ادیان و مذاہب میں بھی پائی جاتی ہیں، جیسے چلہ کشی، تپسیا، دھونی رمانا اور رہبانیت وغیرہ لیکن اسلام میں جو اعتکاف کا تصور ہے وہ انتہائی معقول جامع، مکمل اور روحانیت افزا ہے، پروردگار اس عظیم عبادت کی سعادت ہم سب کو نصیب فرمائے۔ والسلام علی من اتبع الھدی

# مدح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

**(علامہ ذیشان حیدر جوادی کلیم الہ آبادی)**

کسی کو حرف باطل کا اگر انکار کرنا ہے
تو حق موسیٰ کاظم کا بھی اقرار کرنا ہے

اگر اقرار دین احمد مختار کرنا ہے
مکمل اتباع عترت اطہار کرنا ہے

اگر وصفِ کمال عترت اطہار کرنا ہے
تو پھر سولی پہ مثل میثم تمار کرنا ہے

یقیناً ہر عمل کو باطل و بیکار کرنا ہے
خدا کو کر کے سجدہ گر بتوں سے پیار کرنا ہے

اگر کرنا ہے دل سے اتباع موسیٰ کاظم
تو زنداں میں بھی شکر ایزد غفار کرنا ہے

کھلانے ہیں کچھ اتنے پھول تسبیح الٰہی سے
کہ زنداں میں بھی اک گلشن نیا تیار کرنا ہے

نہ ہوتا ساحل دجلہ پہ کیونکر روضہء کاظم
کہ ان کو امت عاصی کا بیڑا پار کرنا ہے

# معصومین کی اخلاقی سیرت میں عفو و بخشش

محمد تقی رضا

معاف اور درگزر کرنا اخلاقی فضائل میں سے ایک بہت بڑی فضیلت ہے خاص طور سے جب انسان کسی سے انتقام لینے پر قادر ہو۔ لیکن اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کینہ اور حسد کو اپنے دل میں چھپائے رہتے ہیں اور اس کے اظہار کے لئے اپنے دشمن پر فائق آنے کے دن کا انتظار کرتے ہیں تاکہ موقع ملتے ہی ان سے کئی گونہ انتقام لے سکیں اور ایک برائی کا کئی برائیوں سے جواب دیں اس اے بدتریہ کہ اس پر افتخار بھی کرتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جو اپنے دشمن پر غالب آئے اور ان کے ساتھ ایسا اور ویسا کیا۔

تاریخ بادشاہوں کے بے رحمانہ انتقام، غارت گری، دوسروں کی حرمت کی پامالی، اور لوگوں کے قتل عام سے بھری ہوئی ہے جس کی وجہ عفو اور بخشش جیسی اچھی صفات سے لوگوں کا متصف نہ ہونا ہے، لیکن تاریخ کے دوسرے ورق پر ہم کو انبیاء، اوصیاء اور اولیاء کی سیرت دکھائی دیتی ہے کہ جو اپنے دشمن پر مکمل قدرت اور تسلط رکھتے ہوئے بھی درگزر کردیا کرتے تھے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین کی سیرت میں ہم کو بہت سے نمونے نظر آتے ہیں۔

**پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے دشمنوں کو معاف کرنا:**

فتح مکہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سارے مشرکین کو معاف کیا، حتی اپنے عزیز ترین چچا حمزہ سید الشہداء کے وحشی قاتل کو معاف کر دیا، اس سے بڑھ کر ابوسفیان اور اس کی بیوی ہند جگر خوار، کہ جنھوں نے آپ کے خلاف متعدد جنگیں شعلہ ور کیں انکو اور عبد اللہ ابن سعد (پہلے درجے کا منافق) جیسے افراد بھی معاف کر دیئے گئے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو جیسا شخص جو سبھی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف حاضر تھا اور حدیبیہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدترین سلوک کیا اس، کو بھی عفو و گذشت سے محروم نہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو نعرہ ہی یہی تھا کہ «الاسلام یجُبُّ ما قبله» جو بھی اسلام قبول کرے گا اس کے گزشتہ خطاؤں کو نظر انداز کیا جائے گا، جہاں تک ممکن تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی گزشتہ خطاؤں کو عفو و بخشش کے پانی سے دھلا، اس لئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، ان کا ہدف اور مقصد تربیت تھا لوگوں سے انتقام لینا نہیں،

**امیر مومنان علیؑ بن ابی طالبؑ کا اپنے دشمنوں کو معاف کرنا:**

مولاے کائنات ؑ نے جنگ جمل میں مروان بن الحکم، عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن العاص کو اسیر کر لیا تھا اگر آپ چاہتے تو ان سے باسانی انتقام لے لیتے کیونکہ انہوں نے آپ ؑ کو بہت پریشان کیا تھا لیکن ان کو معاف کر کے رہا کیا۔

## امام حسن ؑ امام حسین ؑ کا اپنی بدگوئی کرنے والوں کو معاف کرنا:

تاریخ میں مذکور ہے ایک دن شام سے ایک آدمی مدینہ منورہ میں داخل ہوتا ہے ۔ معاویہ اور دوسرے دشمنوں کے برے پروپیگنڈے کی وجہ سے اس شخص کے دل میں مولائے کائنات امام علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی تھی۔ ایک دن جب اس نے امام حسن علیہ السلام کو سواری پر دیکھا تو بلند آواز میں ان پر لعنت بھیجنے لگا۔ امام اس کی بدتمیزی کے سامنے خاموش رہے۔ جب شامی شخص نے اپنی فحاشی اور بدگوئی ختم کی تو امام حسن علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اس کو مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہا اور فرمایا: مجھے لگتا ہے کہ (اس شہر میں) تم پردیسی ہو، تم کو ہمارے متعلق کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اگر تم چاہتے ہو تو ہم تم کو راضی کریں گے اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو فراہم کریں اور اگر تم کو ہماری رہنمائی کی ضرورت ہے تو رہنمائی کریں، اگر تم کو اپنا سامان اٹھانا ہے تو بھی ہم مدد کر سکتے ہیں، اگر بھوکے ہو تو کھانا کھلائیں گے، اگر تمہارے پاس کپڑے نہیں ہیں تو کپڑوں کا انتظام کریں، اور اگر محتاج ہو تو ہم غنی کر دیں، اور اگر تم کسی کے خوف سے بھاگے ہو تو پناہ دیں۔ اب بہتر ہے کہ اپنا سامان اٹھا کر ہمارے یہاں آؤ اور کچھ دن ہمارے مہمان رہو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ شامی آدمی یہ مہربانی اور محبت آمیز الفاظ سن کر منقلب ہوا اور اپنی کج ذہنی پر افسوس کرنے لگا اور اپنی بدتمیزی پر پچھتانے لگا اور پھر اس نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زمین پر خدا کے نائب ہو،"۔ خدا بہتر جانتا تھا کہ اپنی رسالت کس کے سپرد کرے اور کہاں قرار دے۔ اس وقت تک آپ اور آپ کے والد علی میرے لیے سب سے زیادہ متنفر لوگ تھے لیکن اب کے بعد آپ اور آپ کے والد میرے لیے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ پھر اس نے امام ؑ کی دعوت قبول کی اور پھر وہ امام ؑ کے گھر چلا گیا[1] امام حسین ؑ کے بارے میں بھی یہی ردعمل ملتا ہے

## امام سجاد علیہ السلام کا اپنی کنیز کو معاف کر کے آزاد کر دینا:

امام سجاد ؑ کی سوانح حیات میں ملتا ہے کہ ایک دن ایک کنیز لوٹے سے آپ ؑ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی تا کہ آپ ؑ ہاتھ دھوئیں یا وضو کریں لیکن اچانک سے اس کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ جاتا ہے اور آپ ؑ کے ہاتھ پر گر جاتا ہے جس کی وجہ سے آپ ؑ کا ہاتھ زخمی ہو جاتا ہے، آپ ؑ غصہ سے اسے دیکھتے ہیں،

کنیز فورا کہتی ہے "**وَ الْکَاظِمِینَ الْغَیْظَ**"

[1] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۴۴

آپؑ نے فرمایا: میں نے غصہ کو پی لیا

کنیز کہتی ہے "وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ"

آپؑ نے فرمایا: میں نے معاف کر دیا،

کنیز کہتی ہے "وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ"

آپؑ نے فرمایا: میں نے تجھے آزاد کر دیا

یہ ہمارے بعض معصومین کی سیرت کے چند نمونے تھے جس طرح خداوند عالم ارحم الراحمین اسی طرح اس نے اپنے حقیقی جانشیوں کو ہمارے لئے آئیڈیل بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ رحمت و بخشش الٰہی کا مظاہرہ کر سکیں اور لوگوں کے سامنے اپنی عملی سیرت سے یہ بیان کر سکیں کہ جب اس کے خلیفہ اور جانشین اتنے مہربان ہیں تو وہ خدا جو تمام دنیا کا خالق ہے کس قدر مہربان ہو گا لہذا کسی بھی حالت میں اسکی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

**عفوو بخشش کے آثار:**

معاف کرنے والے کی روح کو سکون ملتا ہے، عمر طولانی ہو جاتی ہے دوستی کا سبب بنتا ہے معاف کرنا دوسروں کی نسبت نفرتوں ،کینوں اور برائیوں کو کم کرتا ہے حکومتوں کو قائم رکھتا ہے، قدرت کو دوام بخشتا ہے، دشمنیوں اور مخالفتوں کو کم کرتا ہے شاید اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد عام طور پر سب کو معاف کر دیا تھا۔

معاف کرنا انسان کے لیے عزت اور ابرو کے زیادہ ہونے کا سبب بنتا ہے، معاف کرنے والا شخص لوگوں کے نزدیک باعظمت اور شریف بن جاتا ہے اس کے باوجود کے انتقام لینے والا شخص لوگوں کے نزدیک چھوٹی فکر کا دکھائی دیتا ہے، ہر کوئی عفوو درگذشت نہیں کر پاتا بلکہ وہی معاف کر سکتا ہے جو باایمان اور باتقوا ہو، جو اپنے نفس پر تسلط رکھتا ہو، جو فضیلتوں کا حامل ہو، ایسے افراد آسانی سے معاف کر دیتے ہیں، معاف اور درگزر کرنا دوزخ کی آگ کے برابر میں ڈھال ہے اور عفو کے لئے خداوند متعال نے بہت سارا ثواب قرار دیا ہیں، اس عفو کے بارے امیر کائنات فرماتے ہیں معاف کرنا فضیلتوں کا تاج ہے، کم معاف کرنا سب سے بڑا عیب ہے اور انتقام کے پیچھے دوڑنا سب سے بڑا گناہ ہے، جب اپنے دشمن پر غالب ہو جاؤ تو عفو اور درگزر کو اس کو کامیابی کا شکرانہ قرار دو، معافی اس شخص کے لیے ہے جو خود گناہ پر اعتراف کرتا ہو نہ کہ اس کے لیے جو گناہ پر اصرار کرتا ہو، تو آیئے ہم بھی اپنی زندگی میں دوسروں کو معاف کرتے رہیں تا کہ خداوند متعال بھی ہمیں معاف کریں

# اخباری تراشے

**معاونت پذیرش:**

خداوند کریم کے لطف و کرم اور حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی خاص توجہات کے طفیل معاونت آموزش نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ ہندوستان کی طرف سے جامعۃ المصطفیٰ العالمیۃ قم میں ماسٹر کورس میں داخلہ کے لیے تحریری امتحان بتاریخ ۲۳/ جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ۔ق مطابق ۲۶/دسمبر ۲۰۲۴ بروز جمعرات صبح ۹ بجے بنحواحسن ادارہ کل محترم سنجش وپذیرش جامعۃ المصطفیٰ کی مخلصانہ ہمکاری کے نتیجے میں مکمل نظم وضبط اور قوانین کی پاسداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

**معاونت پژوھش:**

چاپ مجلہ بصائر ۱۴، چاپ مجلہ تفکر دینی (انگلسی) و چاپ کتاب تحفہ الطالبین ترجمہ آداب الطالبین (مولانا علی حیدر غازی) اور تمام مدارس کو مجلہ بصائر ۱۴اور بعض مدارس کو کتاب ارسال کی گئیں۔

**معاونت ارتباطات:**

مدیران اور معاونین کا چھٹا دورہ قم اور مشھد میں منعقد ہوا۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے ساتھ ایم او یو دستخط ہوا۔ دہلی یونیورسٹی کی جانب سے حجۃ الاسلام والمسلمین شاکری صاحب کے لئے الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔

**معاونت فرھنگی:**

ماہ محرم اور اربعین حسینی میں حوزات علمیہ میں نمایندگی جامعہ المصطفیٰ العالمیہ ھندوستان کی جانب سے جامع پروگرام پیش کیا گیا مختلف حوزات علمیہ میں روزانہ زیارت عاشورا کی تلاوت کا پروگرام رکھا گیا اور طلاب کے درمیان حفظ زیارت عاشورا اور اربعین کا اہتمام کیا گیا نیز ممتازین کو انعامات سے نوازا گیا۔ فارسی زبان پر عبور حاصل کرنے کیلئے طلاب و طالبات کیلئے فری ان لائن فارسی کلاسز کا اھتمام کیا گیا جس میں ۱۰۰ سے زیادہ طلاب اور طالبات نے شرکت کی۔

**شعبہ فارغ التحصیلان:**

جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ سے فارغ طلاب کے ساتھ مزید ہمفکری اور باہمی تعاون کو عمل میں لانے کے لئے موثر اقدامات کئے ہیں، اسی سلسلے میں شعبۂ فارغ التحصیلان کے مسئول حجۃ الاسلام ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی نے شہر لکھنو کے بعض ثقافتی اداروں منجملہ الموملِ کلچرل فاؤنڈیشن، ولایت فاؤنڈیشن، اہل بیتؑ فاؤنڈیشن، دارالقرآن امام علیؑ وغیرہ کا دورہ کیا۔

**شعبہ امور اہل سنت:**

بعض مدارس کے طلاب اور اساتید کا دیدار زبان فارسی سے متعلق گفتگو وارسال کتب